مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ لاہور

طلوع اسلام

جلد : 50 شمارہ : 07 جولائی 1997ء

خط و کتابت : ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)

25- بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660

ٹیلی فون : 876219 فیکس : 92-42-5764484

انتظامیہ چیئرمین	:	ایاز حسین انصاری
ناظم	:	محمد لطیف چوہدری
مدیر مسول	:	محمد لطیف چوہدری
مجلس ادارت	:	میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
ناشر	:	عطا الرحمٰن ارائیں
طابع	:	خالد منصور نسیم
مطبع	:	النور پرنٹرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور
مقام اشاعت	:	25-B گلبرگ 2 لاہور 54660

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
نذر عقیدت	علامہ غلام احمد پرویزؒ	6
ہماری جمہوریت	عنایت اللہ	13
ہماری صحافت	صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی	20
کچھ علاج اس کا بھی	عبدالغفور محسن (کوئٹہ)	24
بجواب اشراق۔ مزید براں	عبداللہ ثانی	27
حشر اجساد	محمد عصمت ابو سلیم	33
دہشت گردی	علامہ رحمت اللہ طارق	52
How Sectarianism Took Root	Ghani Eirabie	64

زر سالانہ

ایشیا' افریقہ' یورپ	600 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا	800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ	15 روپے
اندرون ملک سالانہ	170 روپے

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہو گی کہ مجلّہ طلوع اسلام اپنے دور ثانی سے پاکستان کے ساتھ قدم بقدم چل رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

1- قوم کے لئے لمحہ فکریہ

شیطان (ابلیس) کا چیلنج اور اس کے طریقہ ہائے واردات

قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے **ملائکہ** پر آدم (انسان) کی برتری ثابت کرنے کے بعد انہیں حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ تو سب نے اسے سجدہ کیا مگر ابلیس نے ایسا نہیں کیا (2:33-34) اور کہا کہ میں ایسے انسان کو سجدہ کیوں کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے' یعنی جس میں مادی جاذبیتوں کی طرف میلان کا **عنصر** اس قدر غالب ہے (7:12) جب کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے (7:12) اس طرح اس نے اپنی خلقت (پیدائش) کی برتری پر گھمنڈ کیا۔

پھر اس نے کہا کہ یہ ہے وہ آدم جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دے دے (یعنی میری گرفت نہ کرے) تو پھر دیکھ میں کس طرح اس کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے ذلیل و خوار کرتا ہوں (17:62)۔

اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دیتے ہوئے کہا کہ:

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا ○

(17:63) اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جا' جو بھی تمہارے پیچھے چلے گا تو میں تم سب کو جہنم کی آگ میں ڈال دوں گا اور یہی تمہارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ہو گا۔ لیکن میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا۔ (17:65)

اس کے بعد ارشادِ ربّانی ہوا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تو کن کن راستوں سے انسان پر حملہ آور ہو گا۔

اور یہ ہے برادرانِ گرامی ' وہ مقام جسے بیان کرنے کے لئے ہم نے آپ سے توجہ کی اپیل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

1- **وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ**

بعض کو تم محض پراپیگنڈے سے گڑ بڑا کر' ان کے مقام سے ہٹا دو گے۔ (اپنی پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو سامنے رکھیں)۔

2- **وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ**

(جو اس طرح خائف نہ ہوں گے) تم ان پر اپنے بڑے بڑے لشکر لے کر چڑھ دوڑو گے۔ ایسے لشکر جن میں سوار اور پیادے سب شامل ہوں گے

3۔ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

بعض مقامات پر تم انہیں مالی امداد دینا شروع کر دو گے اور انہیں کاروبار میں اپنا شریک کر لو گے۔ (ان کے ہاں سرمایہ کاری کرو گے) اور اس طرح اقتصادی تغلّب سے انہیں اپنا ہم نوا بنا لو گے۔

بعض جگہ ایسی تعلیم گاہیں کھول دو گے جن سے' ان کی آنے والی نسلیں خود بخود تمہارے رنگ میں رنگی جائیں۔

4۔ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ (17:64)

اور تم ان سے بڑے بڑے وعدے کرو گے حالانکہ تمہارے سب وعدے فریب پر مبنی ہوں گے (اور یہ تمہارا فریب کھا جائیں گے)

ذرا غور فرمایئے۔ برادرانِ گرامی' اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات پر اور پھر نگاہ دوڑایئے اپنے معاشرہ اور اس کے احوال و ظروف پر' کیا ہم ابلیس کے ایک ایک طریقۂ واردات کے ڈسے ہوئے نہیں ہیں۔

اور کیا ہم شیطان کے اس چیلنج کی منہ بولتی ہوئی تصویر نہیں ہیں کہ:

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا (17:62)

میں کس طرح ان سب کی تھوتھنی کو رسی سے باندھ کر' جدھر چاہے لیا پھرتا ہوں' سوائے چند ایک کے۔

کیا اس کے بعد بھی کوئی ضرورت رہ جاتی ہے یہ جاننے کی کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور ہماری موجودہ حالت کا سبب کیا ہے۔ ہمارے آج کے حال کا سبب ہمارا شیطان کے پھینکے ہوئے جال میں خود پھنسنا ہے۔ (IMF کی مالی امداد ؟ اور سرمایہ کاروں کی ہمارے کاروبار میں شراکت اور ہمارے قومی اور حساس اداروں پر ان کا قبضہ' ہماری معیشت کی تباہی۔ کیا کیا گنوائیں ؟

لیکن اس میں مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں' صرف احساس بیداری کی ضرورت ہے کیونکہ احساس کا جاگنا' راستہ بدلنے کی اوّلین شرط ہے۔ جسے راستے کی غلطی کا احساس ہی نہ ہو' وہ بھلا کیوں راستہ بدلنے کا سوچے گا؟

اس زیاں اور شیطان کے ہاتھوں فریب خوردگی کا احساس پیدا کیجئے اور پھر ربّ ذوالجلال کے بتائے ہوئے طریقۂ دفاع سے ابلیسی حربوں کو شکست دیجئے۔ ملاحظہ فرمایئے' اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے اس چیلنج کا کیا جواب دیا تھا:

ذاتِ باری تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا (17:65)

(تیرے یہ حربے بڑے مؤثر اور تیری یہ چالیں بڑی کارگر ہوں گی۔ بایں ہمہ) جو لوگ ہمارے قوانین

کی اطاعت اختیار کریں گے' ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ تیری تمام چالوں کے مقابلہ میں ' تیرے رب کا (ہمارا) نظام ربوبیت ان کی کارسازی کے لئے کافی ہو گا۔ (یہ اس پر بھروسہ کریں گے' تو انہیں کبھی دغا نہیں دے گا۔ (15:40-42)

ی نظام ربوبیت' جس کا اعلان کرنے کے لئے (روایات کے مطابق پہلی وحی میں) حضور ذات رسالتماب کو حکم دیا گیا تھا کہ :

رَأْبِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (96:1)

ے رسولؐ' اس خدا کی صفت ربوبیت کا اعلان کر دے جو تمام اشیائے کائنات کا خالق ہے۔

اور یہی تھا خالق کائنات کا وہ نظام ربوبیت جس کے عملی قیام کے لئے مملکت پاکستان حاصل کی گئی ی۔ آپ کو یاد ہو گا وہ نعرہ جو تحریک حصول پاکستان کے دوران زبان زد خلائق تھا' یعنی

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ
اس مملکت میں صرف اللہ کی حاکمیت قائم ہو گی

پس ہے کوئی' جو حضورؐ ختمی مرتبت کے تتبع میں 'اس مملکت خدا داد میں اللہ کی ربوبیت عالمینی ے نظام کو قائم کرنے کا اعلان کرے اور پھر قوم کو ان راستوں پر لے چلے جو اللہ کے نظام ربوبیت کے قیام پر منتج ہوں۔ ایسا ہو تو کیا خوب ہو؟ ہمارے اس خواب کی عملی تعبیر ہمیں مل جائے جو ہم نے ان یاہ راتوں کی تاریکی میں دیکھا تھا جو پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں ہم پر گذریں اور جن کے دوران ہمارے ہزاروں بھائیوں نے اپنے خون کا نذرانہ دے کر' ہمارے لئے 14 اگست 1947ء کی تابناک بح نمودار کی۔

اللہ' رب العالمین کا وہ نظام ربوبیت کیا ہے اور کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ اس کی تفاصیل جاننے کے لئے' مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کی معرکہ آرا تصنیف " قرآنی نظام ربوبیت " دیکھیں۔

یاد رکھئے' رب العالمین نے کھلے کھلے الفاظ میں تمام دنیا سے کہہ رکھا ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ ا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ 5:44

جو کوئی بھی اس کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے (معاملات زندگی کے فیصلے نہیں کرتے) جو اللہ نے نازل کیا ہے (قرآن) تو وہی لوگ تو کافر ہیں۔

اسی سورۃ میں اگلی آیت میں ایسے لوگوں کو جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ظالمون کہا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو چیزوں کو ان کے صحیح مقام پر نہیں رکھتے (5:45)

اور اس کے دو آیتوں کے بعد کہا کہ ایسے لوگ " فاسق " ہیں یعنی وہ لوگ جو اپنے طے شدہ (Pattern) قالب حیات سے باہر نکل جاتے ہیں۔

ہم تمام صاحبانِ اقتدار اور حاملین دین متین اور متبعین شرع مبین سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ

اس آئینہ قرآن میں جھانک کر اپنی تصویر کا نظارہ کریں۔

اور اس خالق کائنات نے سورہ محمدؐ میں یہ انذار (وارننگ) بھی دے رکھی ہے کہ **وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ** (47:38)

اگر تم نے (ہمارے دیئے ہوئے نظام حیات سے) روگردانی کی تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئیں گے جو پھر تمہارے جیسی نہیں ہو گی۔

حذرائے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

❁ ❁ ❁

2۔ تیرا بے آبرو ہونا---

سرکاری دفتر ہو یا بنک، سفر ہو یا حضر، وقت کی اہم ضرورت بندے کی شناخت ہے جس کے لئے بسا اوقات اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ لے دے کر حکومت پاکستان کا جاری کردہ شناختی کارڈ ہے یا پاس پورٹ جسے وہ پیش کر سکتا ہے مگر یہ دونوں چیزیں اتنی ناقابل اعتماد ہو چکی ہیں کہ کوئی انہیں قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ بنک میں اکاونٹ کھلوانا ہو تو شناخت کنندہ ضروری۔ لاکھ بتائیں کہ میرے پاکستان حکومت کا جاری کردہ شناختی کارڈ موجود ہے جس پر میری تصویر بھی چسپاں ہے اور میرے دستخطوں کا نمونہ بھی موجود ہے اور اس سے بھی بڑا ثبوت جسے ساری دنیا تسلیم کرتی ہے، میرا پاس پورٹ ہے۔ جواب ملتا ہے یہ تو لوگوں نے کئی کئی بنوا رکھے ہیں۔ اکاؤنٹ کھلوانا ہے تو کوئی ایسا شخص ہمراہ لائیں جس کا ہمارے بنک میں اکاؤنٹ ہو۔ اکاؤنٹ خواہ پانچ روپے کا ہی کیوں نہ ہو۔ اس شناخت کنندہ کے دستخط کرتے ہی آپ نہ صرف بنک کے لئے بااعتماد فرد قرار پا جائیں گے بلکہ دوسروں کی شناخت کا حق بھی آپ کو مل جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ حکومت پاکستان کا جاری کردہ شناختی کارڈ اور پاس پورٹ اپنے ہی ملک کے اندر اس قدر بے کار ہو چکے ہیں تو انہیں جاری رکھنے کا فائدہ؟ اندریں حالات حکومت پاکستان سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنے جاری کردہ کارڈ کا وقار بحال کر کے بشمول کاروباری مراکز اپنے تمام محکموں کو پابند بنائے کہ وہ قومی شناختی کارڈ کو بطور شناخت قبول کریں اور اگر ایسا کرنا قومی مفاد میں نہ ہو تو شناختی کارڈ بنوانے کی پابندی ختم کر دی جائے تاکہ عوام اس بے کار شے کی حفاظت سے نجات پا سکیں۔

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویزؒ

نذر عقیدت بدرگاہ حضور رسالتمابؐ

1- وہ آئے بزم میں .....

شجر زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب و تمدن کے پھول وحشت و بربریت کی باد سموم سے مرجھا چکے تھے۔ حسنِ عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جو ہر انسانیت کی سرسبزی و شادابی کا کہیں نشان تک باقی نہ تھا۔ کشت مذاہب و اخلاق کے حدود تو باقی تھے لیکن فصلیں بالکل اُجڑ چکی تھیں۔ اس وحشت و سراسیمگی کے عالم میں' خاسرد نامراد انسان' اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا' لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس و ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ **مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ** ! یہ وقت تھا کہ فطرت کے اٹل قانون نے اس افسردگی و پژمردگی کو پھر سے تازگی و شگفتگی میں بدل دیا۔

اس ربِّ ذوالمنن کا سحابِ کرم' زندہ اُمیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزاروں جنتیں اپنی آغوش میں لئے' ربیع الاول کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا اور بلدِامین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا۔ انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آ گئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزہ پامال میں نزہت و لطافت پیدا ہو گئی۔ اعمال صالحہ کے خشک چشمے' حیاتِ تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔ طغیانی و سرکشی کی بادِ سموم' عدل و احسان کی جان بخش نسیم سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بختِ بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذرّوں کو اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی جو عالمِ موجودات کے سلسلۂ ارتقاء کی آخری کڑی ہے' جس سے شرف و مجدِ انسانیت کی تکمیل ہو گئی۔ جو علم و بصیرت کے اس اُفق اعلیٰ پر جلوہ بار ہے جہاں عقل و عشق ' ناسوت ولاہوت' یہ اور وہ قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں۔ جو دانشِ روحانی و حکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔ نوامیسِ فطرت نے جنت سے نکالے ہوئے ابنِ آدم کے اس طالع بیدار کا تقدیس و تحمید کے زمزموں سے استقبال کیا۔ دنیا کے طاغوتی قوتوں کے تخت اُلٹ گئے کہ وہ آنے والا آ گیا جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لئے پیغامِ فنا تھی۔ ایران کے آتش کدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اب انسانی تصورات کی دنیا' نار کی جگہ نور سے معمور ہو گئی۔ دنیا

کے صنم کدوں کے بت پاش پاش ہو گئے کہ آج مسلکِ ابراہیمیؑ کی تکمیل کا دن آ گیا۔ شیاطین نے پہاڑوں میں جا کر منہ چھپا لیا کہ اب جُورد استبداد کی ہر طاغوتی قوت کے روپوش ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ دنیا سے باطل کی تاریکیاں دُور ہو گئیں کہ آج اس آفتابِ عالم تاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے جگمگاتا چراغ کہہ کر پکارا۔ **اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا**۔ (33:45-46) وہ آنے والا جس کی آمد کا مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ **وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ** جب وہ آیا تو اس نے ان تمام اغلال و سلاسل کو ایک ایک کر کے توڑ دیا۔ جن میں انسانیت جکڑی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ احبارو رہبان کی **بربہمنیت** کے طوق سلاسل، قیصر و کسریٰ کی زنجیریں، توہم پرستی کی بصیرت سوز بندشیں، تقسیم انسانیت کے انسانیت کش نسلی جغرافیائی، وطنی، غیر فطری معیار، سب ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے اور پابندِ قفس، طائرِ لاہوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں، اذنِ بال کشائی عطا ہوا۔ اور انسان ایک بار پھر زمین پر سر اونچا کر کے چلنے کے قابل گیا۔ انسانیت کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کی سیدھی راہ مل گئی۔ عقل کو عشق کا جنون اور عشق کو عقل کی فرزانگی عطا ہوئی۔ فقر کو شکوہِ خسروی اور پادشاہی کو استغنائے قلندری عنایت ہوا۔ یہ تھی وہ ذاتِ گرامی کہ

محبت از نگاہش پائدار است — سلوکش عشق و مستی راعیار است
تمامش عبدۂ آمد و لیکن — جہانِ شوق راپروردگار است

اِنَّ فَالِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی (30/50)

اس طرح وہ دلوں کی مردہ بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ (معراج انسانیت طبع اول صفحہ 171-176)

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا

جب مشیتِ ایزدی کی تدبیرِ محکم، جس کے لئے زمین و آسمان یوں قرنہاقرن سے سرگرداں پھر رہے تھے، اپنی پختگی تک پہنچی۔ جب انسانیت، جس کے لئے کائنات نے ایک ایک ذرّے کو لاکھوں چکر دیئے تھے، گہوارۂ طفولیت سے حریمِ شباب میں آ گئی۔ جب اس صحیفۂ فطرت کی تکمیل کا وقت آ گیا جس کے مختلف اوراق ستاروں کی ٹھنڈی ٹھنڈی مرمریں روشنی میں کوثر و تسنیم سے دُھلے ہوئے قلم سے لکھے گئے تھے۔ جب سینہ، کائنات میں اتنی کشادگی پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے اندر راز ہائے درونِ پردہ کے معدنِ لعل و گہر کو سمو لے، تو آسمان کی حوریں زمین پر اُتریں کہ جنّت کے تروتازہ پھولوں سے وادیٔ بطحا کی تزئین و آرائش کر دیں۔ صحنِ گلستانِ کائنات پر بہار آ گئی۔ ہر طرف سے مسرّتوں کے چشمے اُبلنے لگے۔ چاند مسکرایا، ستارے ہنسے۔ آسمان سے نُور کی بارش ہوئی۔ فرشتوں کی معصوم نگاہوں میں **اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** کی تفسیر، ایک پیکرِ محبوبیت کا حسین تصور بن کر چمکنے لگی۔ فلک تعظیم کے لئے جھکا۔ زمین نے اپنی خاک آلود پیشانی سجدہ سے اُٹھائی کہ آج اس کی قرنہاقرن کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آ

پہنچا تھا۔ صحرائے حجاز کے ذرّے جگمگا اُٹھے۔ بلدِ امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا کہ آج اُس آنے والے کی آمد آمد تھی جس کی طرف جبلِ تین پر حضرت نوحؑ نے اِرشاد کیا تھا اور جسے کوہِ زیتون پر حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو وجہِ تسکینِ خاطر بتایا تھا۔ جس کی آمد کی بشارتیں وادیٔ طورِ سنین میں بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں۔ اور جس کے لئے دشتِ عرب میں حضرت خلیلِ اکبرؑ اور ذبیحِ اعظمؑ نے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلایا تھا۔ وہ آنے والا' کہ جس کے انتظار میں زمانے نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں آیا' اور اس شانِ زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے **غلغلے** بلند ہوئے۔ فرشتوں نے زمزمۂ تبریک گایا۔ سدرۃُ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جُھولا جھلایا۔ ملاءِ اعلیٰ کی مقدس قندیلوں نے چراغاں کیا۔ کائنات کے ذرّے چمک اُٹھے۔ فضائے عالم درود صلوٰۃ کی فردوس کوش صداؤں سے گونج اُٹھی اور اِنس وجان وجدو کیف کے عالم میں پکار اُٹھے کہ۔

اے سوارِ **اشہبِ** دوراں بیا — اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
در جہانِ ذکر و فکر دانس و جاں — تو صلوٰۃِ صبح' تو بانگ اذاں

معراج انسانیت طبع اول صفحہ 173-174)

مقامِ محمدیؐ

یہ آنے والا' **رسول کافۃً للنّاس اور رحمۃً للعالمین** بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اس کتاب مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو حضورؐ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ محمدیؐ میں اُتاری گئی۔ مشامِ جان نے جہاں کہیں بھی عطر بیزی و عنبر فشانی کی وہ لالہ و یاسمین کی انہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اس نبیٔ آخرزمانؐ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔

پیغامِ محمدیؐ کیا ہے؟ انہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادث ارضی و سماوی کی آندھی کے تیز جھونکوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا۔ اور

مقامِ محمدیؐ کیا ہے؟

ان ہی درخشندہ و تابندہ ذرّاتِ نادرہ کا پیکرِ حسن و زیبائی کہ جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی فرطِ عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہر الگ الگ پڑے تھے۔ اور یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے اور یہاں یہ

ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہاقرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے' یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں یہ پھول تھا۔ وہ ذرّے تھے' یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے' یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے' یہ ملّت تھی۔ وہ نقطے تھے' یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتداء تھی' یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمة للعالمینی انتہا است

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اُس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوش جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیکھنے سننے والا پکار اٹھتا ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بندو راہِ مصطفےؐ رو

(معراج انسانیت طبع اول صفحہ 175)

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى

علیم نہایت آں کہ نہایتے نہ دارد
بہ نگاہِ ناشکیبے بہ دلِ اُمیدوارے

—— قلبِ وادی فاران، یعنی ام القریٰ مکہ' اپنی تمام نگاہ فریب جاذبیتوں کے ساتھ ہر عاکف و باد کے لئے مرکزِ قلب و نظر بنا ہوا ہے۔ چونکہ ریگ زارِ حجاز کے ہر ذرہ کی عقیدت حریم کعبہ کے ساتھ وابستہ ہے' اس لئے طفلک و برناو پیر' نزد دور' کارواں در کارواں اپنی پیشانیوں میں تڑپتے ہوئے سجدوں کے نذرانے لئے' رواں دواں اور کشاں کشاں اس مرجع انام کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ جبینِ شوق سجدوں سے معمور ہے لیکن کچھ معلوم نہیں کہ مسجود کیا ہے؟ قلبِ نیاز جذبہ ہائے تعبد سے لبریز ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ معبود کون ہے؟ زندگی کی تگ و تاز بہر نوع ہنگامہ خیز ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ اس تگ و تاز سے مقصود کیا ہے؟ کاروانِ حیات تیز گام ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ اس کی منزل کونسی ہے؟ لیکن اس نہ جاننے کے باوجود ایک ہنگامہ ہے کہ ہر وقت برپا ہے جس میں ہر شخص اپنے آپ کو جذب کئے ہوئے ہے۔ اس کیف و مستی کے عالم میں کوئی تالیاں پیٹتا ہے' کوئی سیٹیاں بجاتا ہے۔ کوئی کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر' سفر ختم ہونے کے باوجود ذوقِ سفر کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کوئی بتوں کے آستانوں پر جانور ذبح کر کے ان کا گرم گرم لہو پی رہا ہے۔ کوئی زم زم کے کنارے بیٹھا جام و سبو کے امتیازات مٹا رہا ہے۔ کاہنوں کے گرد عورتوں کا ہجوم ہے جو صبر گریز پا اور رنج گراں نشیں کے جگر سوز

افسانوں کا مستقبل معلوم کرنا چاہتی ہیں۔ ادھر عکاظ کے بازار میں شعرائے جادو بیاں اپنی سحر آفرینیوں سے ہر سننے والے کے دل کو اپنی مٹھی میں لئے ہوئے ہیں۔ کبھی کسی کے خاندانی مفاخر کے تذکرے سے اس کے طرۂ استکبار میں اور بالیدگی پیدا کرتے ہیں اور کسی کے عزیز کے قتل کی یاد تازہ کر کے اس کی رگوں میں آتش انتقام کے شعلے اس طرح بھڑکاتے ہیں کہ بزمِ شعر خوانی آن کی آن میں رزم گاہ بن جاتی ہے۔ لیکن محفلِ عیش و طرب ہے یا میدان جنگ و جدل ہر شخص پورے جذب و انہماک سے اس میں حصہ لیتا ہے اور اس ہمہمہ اور طنطنہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر' یوں مستغرق ہوتا ہے کہ کوئی کشش اسے اس ہنگامے سے باہر نہیں لے جا سکتی۔ چھوٹا بڑا' امیر غریب' مرد' عورت' سب ان ہنگاموں میں اس طرح شریک ہیں گویا یہ چیزیں ان کی معاشرت کا جزو اور ان کی قومی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔

ایک استثناء

لیکن مکہ کی ان پر ہجوم گلیوں میں ایک شخص ایسا بھی دکھائی دیتا ہے جو ان میں سے ہوتے ہوئے بھی ان میں معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی طرز معاشرت' وضع قطع' تراش خراش سب انہی جیسی ہے۔ وہ انہی بازاروں میں پھرتا ہے۔ انہی لوگوں سے کاروبار کرتا ہے۔ ان کی شادی اور غم میں شریک ہوتا ہے۔ اس کے بیوی بچے ہیں جن کی پرورش بطریق احسن کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو انہی جیسا انسان سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی زندگی میں کچھ خلا سا محسوس کرتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ خلا کیا ہے اور کس طرح پر ہو سکتا ہے۔ وہ مشاغل و مشارب' جو اس کی قوم کا جزوِ زندگی بن چکے ہیں' اس کے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتے۔ وہ بھی اپنی جبینِ نیاز میں ذوقِ عبودیت کے سجود رقصاں لے کر حرم تک جاتا ہے لیکن وہ ان گہرہائے تابندہ کو اسی طرح واپس لے آتا ہے کہ اسے وہاں انسانوں کی بنائی ہوئی کوئی چوگھٹ اس متاعِ گراں مایہ کے شایان شان دکھائی نہیں دیتی۔ جب وہ انسانوں کی گردنوں کو ان کی اپنی بنائی ہوئی مٹی اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے جھکا ہوا دیکھتا ہے' تو محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ۔۔۔۔ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ عکاظ کے بازار میں جب سردارانِ قریش کو اپنی نسبتی پر فخر کرتے دیکھتا ہے تو ہر چند وہ خود قریش کے ممتاز ترین گھرانے کا فرد ہے' لیکن اس کا دل گواہی نہیں دیتا کہ جس چیز میں انسان کے اپنے اعمال کو کوئی دخل نہ ہو وہ باعثِ فخر و تکبر ہو سکتی ہے۔ وہ بزم مے پرستی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ اس سے اس کی فطرتِ سلیم' ابا کرتی ہے۔ وہ قمار خانوں کی طرف قدم نہیں اٹھاتا کہ وہاں اسے مہذب انسانوں کے بھیس میں رہزن دکھائی دیتے ہیں۔

تلاشِ حقیقت

وہ جب ان محافل و مجالس میں اپنے لئے کوئی تسکین نہیں پاتا تو عیسائی رہبان اور یہودی احبار کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اس نے سُن رکھا ہے کہ وہ زندگی کے حقائق کا علم رکھنے کے مدعی ہیں۔ وہ خود لکھنا نہیں جانتا اس لئے ان علماء و مشائخ سے پوچھتا ہے کہ ان کے پاس کون سی روشنی ہے جسے وہ

آسمانی کہہ کر پکارتے ہیں لیکن اسے ان مزعومہ آسمانی شمعوں پر انسانی ساخت کے ایسے ایسے فانوس نظر آتے ہیں جنہوں نے شمع کی اصل روشنی کو بالکل ڈھانپ رکھا ہے۔ وہ یہاں سے بھی ٹھنڈی آہ بھر کر اُٹھ آتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ انہی بستیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کی طرح ان معبودانِ باطل سے متنفر ہیں۔ وہ ان کی طرف رخ کرتا ہے کہ شاید وہیں وہ سکون مل جائے جس کی اسے تلاش ہے۔ لیکن اسے ان کا ذوق تشنہ اور تڑپ خام نظر آتی ہے۔ وہ وہاں سے بھی مایوس واپس آتا ہے۔ غرضیکہ وہ انسانوں کے اس ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ اسے کوئی ایسا دوسرا انسان نہیں ملتا جس سے اپنے دل کی تپش و خلش اور سوزوگداز کا حال کہہ سکے۔ وہ اس تنہائی سے اُکتا جاتا ہے تو آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر پکار اٹھتا ہے کہ:

دریں میخانہ اے ساقی ندارم محرمے دیگر کہ من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر

تفکر و تدبر

وہ انسانوں کی بستیوں میں اپنے دل کی پکار کا کوئی جواب نہیں پاتا تو باہر فطرت کی کھلی فضاؤں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں کبھی صحراؤں کی ناپیدا کنار وسعتوں پر غور کرتا ہے۔ اور کبھی آسمانوں کی درخشندگی اس کے لئے سامانِ تدبر و تفحص پیدا کرتی ہے۔ وہ مظاہر فطرت کی گوناگوں نیرنگیوں پر غور کرتا اور بار بار اپنے دل سے سوال کرتا ہے کہ یہ عظیم الشان سلسلۂ کائنات کس طرح وجود میں آگیا؟ کون اسے بایں حسن و خوبی چلا رہا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ سوالات رہ رہ کر اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اسے ان کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ جب جواب نہیں ملتا تو اس سے اس کے دل کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے۔ اور جب اضطراب بڑھتا ہے تو اس کے ساتھ ہی تشنگیٔ ذوق کی شدت تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔ لیکن اسے اپنے آپ پر ضبط اتنا ہے کہ وہ اس کاوشِ اضطراب کو اپنے معمولات زندگی پر قطعاً اثر انداز نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے کاروباری معاملات، بال بچوں کی نگہ و پرداخت، رفقاء و احباب سے میل ملاقات۔ معاشرتی زندگی کے مقتضیات میں کوئی فرق نہیں آنے دیتا۔ اور ایسی زندگی بسر کئے جاتا ہے کہ اسے کے ابنائے جنس اپنے میں اور اس میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے بجز اس کے کہ وہ اس کے کیریکٹر کی بلندی کے مداح ہیں۔ اور اس کی صداقت و دیانت کے معترف۔ چھوٹا بڑا سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ قوم اور خاندان کو اس کی شرافت و اصالت پر ناز ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ان سے کچھ مختلف محسوس کرتا ہے۔ اس لئے کہ جن گوشوں کو انہوں نے اپنے لئے وجہِ اطمینان اور موجبِ تسکین قرار دے رکھا ہے وہ ان میں سے کسی میں بھی اپنے اضطراب کا مداوا نہیں پاتا۔ وہ اپنے آپ کو ہر وقت کسی ایسی چیز کی تلاش میں مضطرب و بے قرار پاتا ہے جس کا اسے بھی علم نہیں کہ وہ کیا ہے۔ کارلائل کے الفاظ میں۔

شروع ہی سے چلتے پھرتے آپ کے دل میں ہزاروں سوالات پیدا ہوتے تھے۔

میں کیا ہوں؟

کائنات کا لامتناہی سلسلہ کیا ہے؟
زندگی کیا ہے ؟
موت کیا ہے؟
مجھے کس چیز پر ایمان رکھنا چاہئے؟

حرا اور فاران کی پہاڑیاں' ریت کے ٹیلوں کا سکوت' ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیتے۔ ان سوالات کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ ان سوالات کا جواب انسان کی اپنی روح اور خدا کی وحی سے ملتا تھا جو اس روح کو اپنا مسکن بنا لے۔

HEROES AND HEROE - WORSHIP P- 49

ہاں' ان سوالات کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا۔ ان کا جواب صرف وحی کی زبان سے مل سکتا تھا۔ اور نبی قبل از نبوت وحی سے واقف نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت قبل از رسالت حضورؐ کی تھی۔۔۔۔

(معراج انسانیت طبع اول صفحہ 188-187)

اس کے بعد حضورؐ شرفِ' نبوت سے سرفراز فرمائے گئے۔

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درسِ قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	اتوار	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعہ بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ :

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر' بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون : کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عنایت اللہ

ہماری جمہوریت -- ایک مذاق' ایک لعنت

جاگیرداروں کے لئے پیکج ☐ وڈیروں کے لئے پیکج ☐
صنعتکاروں کے لئے پیکج ☐ تاجروں کے لئے پیکج ☐

ان عوام کے لئے چھوٹا سا ایک پیکٹ بھی نہیں جنہوں نے میاں نواز شریف اور ان کی پارٹی کو وہ مینڈیٹ دیا کہ قائد اعظمؒ اور تحریک پاکستان والی مسلم لیگ کی یاد تازہ کر دی۔

یہی نہیں' میاں نواز شریف نے قرضے کے سود اور قسط کی ادائیگی کے لئے عوام کو مالی اعانت کے لئے پکارا تو عوام نے اپنے پیٹ پر ایک دو اور پتھر باندھ لئے اور چند دنوں میں اربوں روپیہ میاں صاحب کو پیش کر دیا۔

عوام نے یہ قربانیاں اس توقع پر دی تھیں کہ میاں صاحب بھٹو خاندان اور زرداری سے وہ بے بہا دولت واپس لے لیں گے جو اس بھارت نواز خانوادے نے اپنے دور حکومت میں لوٹی ہے۔

پھر عوام کو یہ توقع بھی تھی کہ میاں صاحب پہلا کام یہ کریں گے کہ جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں پر زرعی ٹیکس نافذ کریں گے جس سے عوام کو ٹیکسوں سے اور ٹیکسوں کی پیدا کردہ مہنگائی سے کسی حد تک نجات مل جائے گی۔

عوام ایک تاریخی انقلاب کی توقع رکھتے تھے مگر نئے حکمرانوں کے بلند بانگ دعوے' عوام کی قربانیاں اور توقعات اور وزرائے کرام کے بیانات صرف ایک لفظ میں سمٹ آئے " احتساب " اور اب احتساب " روٹی کپڑا مکان " جیسا کھوکھلا نعرہ بن کر رہ گیا ہے۔

23 مارچ 1997ء کی اخباری خبروں کے مطابق لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس ملک محمد قیوم نے اس احتساب کو ایک کیس کے دوران اپنے ریمارکس میں واضح کر دیا ہے۔ فاضل جسٹس نے کہا احتساب سخت ترین ہونا چاہیے۔ کیا احتساب پٹواری سے شروع ہو گا اور تحصیلدار پر ختم ہو جائے گا؟ کیا پٹواریوں اور تحصیلداروں نے ملک کو لوٹا ہے؟ حکومت ان لوگوں کو پکڑے جنہوں نے کروڑوں روپے لوٹے ہیں۔

کچھ دن گزرے میاں صاحب نے بھی کہا تھا کہ احتساب نیچے سے شروع ہو گا۔ یہ احتساب تو شروع ہو چکا ہے۔ حکم ہوا کہ بینکوں کے قرضوں' بجلی' ٹیلفون وغیرہ کے بلوں کی نادہندگان سے رقمیں وصول کی جائیں۔ اس حکم کی تعمیل یوں ہو رہی ہے کہ جن چھوٹے چھوٹے اداروں یا افراد نے دو دو چار چار لاکھ روپوں کے قرضے لے رکھے تھے' انہیں عدالتی کاروائی کے نوٹس دے کر پریشان کیا جا رہا ہے۔

یہی سلوک ٹیکس دینے والے ان چھوٹے اداروں اور افراد کے ساتھ کیا جا رہا ہے جن کے ذمے تھوڑی تھوڑی رقمیں واجب الادا ہیں۔ پراپرٹی ٹیکس کی وصولی کے لئے گرفتاری اور قرقی جائیداد کے نوٹس بھیجے جا رہے ہیں۔

کسی کے ذمے اگر دس روپوں کی ہی سرکاری رقم واجب الادا ہے تو وہ وصول کرنی چاہیے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو سخت کاروائی سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے لیکن جن کے ذمے لاکھوں اور کروڑوں روپے واجب الادا ہیں' ان کے خلاف قانونی کاروائی سے کیوں گریز کیا جا رہا ہے؟.... صرف اس لئے کہ ان میں سرکار کے اپنے لوگ بھی ہیں اور ایسے بھی جن کے پاس سیاسی طاقت ہے۔ وہ قانون جو عوام پر لاگو ہوتا ہے' ان بڑے لوگوں سے خائف رہتا ہے۔ قانون ایک ہی ہے۔ خرابی یہ ہے کہ چھوٹے لوگوں کو اس قانون سے ڈرایا جاتا ہے اور بڑے لوگ اس قانون کو ڈرا دھکا کر رکھتے ہیں۔

پاکستانی سیاست اور جمہوریت کا یہی دستور ہے کہ نئی حکومت آتی ہے تو شور وغل بپا کر دیتی ہے ----" پچھلی حکومت خزانہ خالی کر گئی' کھا گئی' قرضے چڑھا گئی' کرپشن پھیلا گئی' مہنگائی بڑھا گئی ..... احتساب ہو گا' کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ گرفتار کریں گے۔ پائی پائی وصول کریں گے۔ "

نئی حکومت یہی شور و غل بپا کرتے' کرپشن پھیلاتے اور مہنگائی بڑھاتے ہوئے عوام پر دو چار نئے ٹیکس تھوپ کر " پچھلی " حکومتوں کے کباڑ خانے میں پھینک دی جاتی ہے۔ پھر ایک نئی حکومت یہی رٹا رٹایا شور و غل بپا کرتی آتی ہے۔

آدھی صدی سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ اس سیاسی باؤی گری نے ملک آدھا کر دیا ہے۔ باقی آدھا یہودی ساہوکاروں کے ہاں گروی رکھا ہوا ہے۔ معاشی طور پر پاکستان ایک کنگال اور محتاج ملک ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ پاکستان امریکہ' کا غلام ہے۔ ہمارے حکمران اپنے داخلی امور کے متعلق فیصلے کرنے میں بھی آزاد نہیں۔

مثال کے طور پر زرداری کی لوٹ مار اور دیگر کرپشن پر غور کریں۔ کون نہیں جانتا کہ ملک کی تمام تر دولت خواہ وہ غیر ملکی قرضوں کی تھی یا ظالمانہ ٹیکسوں کے ذریعے عوام سے بٹوری گئی تھی' زرداری کے ذاتی کھاتے میں منتقل ہوتی رہی۔ اسے اپنی وزیر اعظم بیگم کا پورا پورا تعاون اور تحفظ حاصل تھا۔ زرداری کھلم کھلا دولت سمیٹتا رہا۔ سرکاری سودوں اور غیر ملکی سرمایہ کاری میں زرداری کی کمیشن خوری کے چرچے غیر ملکی اخبار رسالوں میں بھی ہوتے رہے لیکن اپنی حکومت کا یہ حال ہے کہ 22 مئی 1997ء کے روز قومی اسمبلی کے اجلاس میں وقفہ سوالات کے دوران وزیر اعظم کے مشیر برائے اطلاعات مشاہد حسین نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ آصف زرداری نے ایسی صفائی سے قومی خزانے کا صفایا کیا کہ ثبوت نہیں مل رہے۔

ثبوت موجود ہیں اور یہ ثبوت ڈھکے چھپے بھی نہیں۔ آصف زرداری جو کراچی کے صرف ایک سینما ہال کا مالک تھا' آج انگلینڈ کے سرے محل کا مالک ہے اور اس نے وہاں فلیٹ بھی خریدے ہیں۔ قارون کا یہ خزانہ کہاں سے آیا تھا؟ کیا یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ جس ملک میں پولیس موجود ہے' خفیہ

ادارے موجود ہیں' سی آئی اے' ایف آئی اے اور پولیس اور فوج کی انٹیلی جنس بھی موجود اور فعال ہو' وہاں ایک شخص کی کرپشن کے ثبوت نہ مل سکیں؟ وجہ یہ ہے کہ امریکہ نہیں چاہتا کہ بے نظیر اور اس کے خاوند آصف زرداری کے خلاف کوئی کاروائی ہو۔ بے نظیر نے اپنے دور حکومت میں پاکستان کوڑیوں کے بھاؤ امریکہ کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔ امریکہ نے بے نظیر کو اس کا یہ صلہ دیا ہے کہ انہیں تحفظ دے دیا ہے۔

ہم اگر میاں نواز شریف کو مخلص اور دیانت دار ہی کہیں اور اگر میاں نواز شریف صاحب بھی سچے دل سے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ پاکستان کی شکستہ کشتی کو ساحل پر لا کر دم لیں گے تو بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیابی کی صورت صرف یہ ہے کہ انقلابی اقدامات کئے جائیں۔ پہلا اقدام یہ ہو کہ ملک کو امریکہ سے آزاد کرایا جائے اور اپنے داخلی امور اپنے ہاتھ میں لئے جائیں۔

دوسرا انقلابی اقدام یہ ہو کہ جاگیرداروں' وڈیروں' چوہدریوں اور ان لوگوں کو سیاست اور اقتدار سے بے دخل کیا جائے جو دولت کے زور پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جا بیٹھتے ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ پاکستان پر جاگیردار اور وڈیرے قابض ہیں جو پاکستانی عوام کو اپنی رعایا سمجھتے ہیں۔ یہ ان آباؤ اجداد کی اگلی نسل ہیں جو انگریزوں کو عبادت کے لائق سمجھتے تھے۔ ان کی یہ نسل آج بھی چٹی چمڑی کو اس لائق سمجھتی ہے کہ اس کے آگے سجدے کئے جائیں۔

اپنے وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لایا جائے۔

" قرض اُتارو ملک سنوارو " کا نعرہ دے کر عوام کا دل پرچایا نہیں جا سکتا اور اس نعرے سے ہمارا ایک بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

عوام پر رحم کریں۔ ٹیکس دیں تو عوام' قرض اُتارنے کے لئے چندے اور عطیات دیں تو عوام' مہنگائی کی چکی میں پیسے جائیں تو عوام اور ملک کو لوٹنے والے دندناتے پھریں اور حکمران اپنی عیش موج میں لگے رہیں۔

میاں صاحب ! یہ طرز حکومت ہے ہی ایسا جس کے لئے آپ کا خلوص' آپ کے نیک عہد اور عزم اور آپ کی عوام دوستی ملک کے کسی کام نہیں آ سکتی۔ اس طرز حکومت میں برسراقتدار پارٹی کو حمایت اور سپورٹ ہر حلقے سے لینی پڑتی ہے۔ یہ نہیں تو اقتدار بھی نہیں۔ جب آپ کسی سے سپورٹ لیتے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں تو اس سپورٹ کی آپ کو قیمت دینی پڑتی ہے۔ اس طرح خوشامدی' چمچے اور لوٹے آپ پر غالب آ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ مجبور تھے کہ وزارت خارجہ جیسی اہم اور نازک وزارت گوہر ایوب کو دے دیں۔ کسی خوشامدی کو انعام کے طور پر کسی ملک کا سفیر بنا دینا آپ کی مجبوری ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ سفارت انعام کے طور پر دی جاتی ہے اس لئے اقوام عالم میں پاکستان کو ایک کمزور' محتاج اور پسماندہ ملک سمجھا جاتا ہے۔

اگر ملک کا مفاد اور قومی وقار اپنا مقصد اور ایمان بنا لیا جائے تو جمہوریت میں بھی ملکی مفاد اور قومی وقار کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں پاکستانی جمہوریت رائج ہے جس میں ذاتی مفاد اور

اقتدار پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

بھارت میں بھی جمہوریت رائج ہے لیکن بھارت صف اول کی جنگی طاقت بنتا جا رہا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ہندو قیادت نے عہد کر رکھا ہے کہ پاکستان کا نام و نشان مٹا دینا ہے، پھر بھارت سے اسلام کا صفایا کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا مقصد ہے جس پر ہندو قیادت اپنے مفادات قربان کر دیتی ہے اور اقتدار کا لالچ نہیں رکھتی۔

ہم امریکہ کے غلام صرف اس وجہ سے ہوئے ہیں کہ ہماری قیادت مفاد پرست اور اقتدار پسند ہے۔ امریکی ہماری قیادت کی دکھتی رگیں اور کمزوریاں اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ ان رگوں اور کمزوریوں کو مٹھی میں لے کر ہماری برسراقتدار قیادت کے منہ میں ہڈی دے دیتے ہیں۔ اس کے برعکس بھارت امریکہ سے ہر طرح کی امداد لے لیتا ہے، مالی بھی، فوجی بھی اور امریکہ کو آنکھیں بھی دکھاتا ہے۔ امریکہ اور روس ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ کوئی ملک ان سے کسی ایک ملک سے امداد لے تو دوسرا ناراض ہو جاتا ہے۔ بھارتی قیادت کا کمال دیکھیں کہ وہ ان دونوں ملکوں سے امداد لے رہا ہے اور اس نے دونوں ملکوں کو اپنی مٹھی میں رکھا ہوا ہے۔

یہ تو سوچیں کہ یہ دونوں دشمن ملک بھارت کو کیوں امداد دیئے چلے جا رہے ہیں؟.... صرف اس لئے کہ وہ جان گئے ہیں کہ بھارت کی قیادت پاکستان جیسی اوچھی اور مفاد پرست قیادت نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ بھارت بوقت ضرورت کام آئے گا اور دھوکہ نہیں دے گا۔ ان دونوں ملکوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ بھارت مالی امداد ضائع نہیں کرتا نہ اس امداد پر وہ عیش و عشرت کرتے ہیں۔

چین اور بھارت کی دشمنی ایک طرح کی خونی دشمنی ہے۔ 1962ء میں چین اور بھارت کی ایک جنگ ہو چکی ہے۔ بھارت چین کو اس لئے بھی اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ چین پاکستان کا دوست ہے اور ہر جگہ پاکستان کو سپورٹ کرتا ہے لیکن بھارتی قیادت کی دانشمندی ملاحظہ کریں کہ چین اب بھارت کی طرف مائل ہو گیا ہے اور عنقریب ان کی باقاعدہ دوستی شروع ہو جائے گی اور ہماری قیادت ایک بڑا ہی کارآمد دوست ضائع کر دے گی۔

ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بھارت نے اپنے سامنے ایک نصب العین رکھا ہوا ہے۔ وہ ہے پاکستان کو واپس ہندوستان میں شامل کرنا۔ ہمارا مقصد ہونا چاہیے تھا بھارت کو کمزور رکھنا اور اسے اپنے دین اور اپنے وطن کا دشمن سمجھ کر اپنی جنگی طاقت بنانا لیکن ہماری قیادت کا نصب العین ہے اپنے عوام کے منہ میں جذباتی اور کھوکھلے نعرے دے کر اپنا الو سیدھا کئے رکھنا۔

ہم زیادہ کیا کہیں، اصل بات امریکہ کے نشریاتی ادارے وائس آف امریکہ نے کہہ دی ہے۔ ہم اس کی پوری رپورٹ پیش نہیں کرتے صرف اتنا کہیں گے کہ اس امریکہ کے ادارے نے حال ہی میں کہا ہے کہ پاکستانی بڑی زندہ دل قوم ہے۔ یہ قوم اپنے ملک کے انتہائی سنجیدہ، نازک اور خطرناک مسائل کو مذاق مذاق میں اور ہنستے مسکراتے ٹال دیتی ہے۔

وائس آف امریکہ نے کہا ہے کہ پاکستانیوں کے لئے سب سے بڑا مذاق جمہوریت ہے۔

اس وقت ہمارا سب سے زیادہ پیچیدہ' نازک اور خطرناک مسئلہ ملک کے دفاع کا ہے۔ اپنی حکومت کی طرف سے جاری کئے ہوئے بیانات پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کو بھی ہنستے مسکراتے ٹالا جا رہا ہے۔ بھارت ہماری خلائی حدود کی خلاف ورزیاں کئے چلا جا رہا ہے اور ہمارا جوابی حملہ صرف اس حد تک ہے کہ بھارتی سفیر کو بلا کر احتجاج اس کے حوالے کیا گیا جس کی بھارت نے پُرزور تردید کر دی اور دوسرے یہ کہ اس قسم کے بیان دیئے گئے کہ ہم تیار ہیں' ہم دشمن کو تباہ کر دیں گے' ہماری افواج تیار کھڑی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

گزرے ہوئے پچاس برسوں میں جتنی بھی حکومتیں آئیں' وہ تباہی کے عمل کو تیز تر کرتی گئیں اور ہمیں آنکھیں بند نہیں کرنی چاہیں' اس حقیقت کو قبول کر لیں کہ ہم تباہی کے اس مقام تک پہنچ چکے ہیں جہاں آ کر تباہی واپس نہیں جاتا کرتی۔ پھر بھی ہمیں اللہ کی درگاہ میں پوری امید رکھنی چاہیے کہ ہم تباہی کے اس عمل کو نہ صرف روک لیں گے بلکہ دھکیل دیں گے لیکن اس کے لئے ہماری قیادت کو کچھ قربانیاں دینا پڑیں گی۔

قربانی کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہمارے ہاں جب بھی قربانی کا ذکر آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ یہ قربانی کفار کے مقابلے میں میدان جنگ میں دی جاتی ہے لیکن ہمارا سامنا ایسی تباہی سے ہے جسے روکنے کے لئے کچھ اور ہی کی قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ پہلی قربانی یہ ہے کہ ہماری قیادت دنیا کا لالچ دل سے نکال دے پھر اقتدار پرستی سے توبہ کرے اور جنہیں اقتدار مل جاتا ہے وہ اپنے آپ کو پاکستان کا وہ شہری سمجھے جسے بڑی محنت اور مشقت سے دو وقت کی دال روٹی میسر آتی ہے۔ ہمیں امریکہ برطانیہ وغیرہ سے ہدایات لینے کی ضرورت ہی نہیں' ہم پر اللہ تعالیٰ نے آخری کتاب اتار دی ہے جس میں ہمارے لئے تمام ہدایات موجود ہیں۔ سورہ الانعام کی آیت 165 دیکھیں۔۔ " اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر برتری دے دی تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ یقیناً" تمہارا رب سزا دینے میں بہت تیز ہے اور وہ بہت بخشش اور رحم کرنے والا بھی ہے۔ "

پاکستان میں یوں ہوتا چلا آ رہا ہے کہ اللہ جسے خلیفہ بناتا ہے وہ اپنے آپ کو اس ملک کا بادشاہ سمجھ لیتا ہے۔ اسے اللہ جو برتری اور جو کچھ بھی دیتا ہے اسے وہ اپنا ذاتی مال سمجھ کر اڑاتا ہے اور برتری کو دماغ میں ٹھونس کر قوم کو حشرات الارض سمجھ لیتا اور اسے عوام کہہ کر بھوکا اور ننگا رکھتا ہے۔ اس صورت حال میں اللہ کا یہ فرمان عمل میں آ جاتا ہے کہ رب سزا دینے میں بہت تیز ہے۔۔۔ ہم اپنی قیادت کے اسی گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اگر ہماری قیادت اس حکم الٰہی کے مطابق آزمائش میں پوری اترے تو اللہ کے ہاں بخشش بھی ہے اور رحم بھی۔

کسی تبصرے کی کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا یہ فرمان واضح اور بڑا ہی صاف اور قابل فہم ہے۔

ہم بات کر رہے تھے قربانیوں کی۔ جان کی قربانی میدان جنگ میں دی جاتی ہے۔ لیکن جنگ نہ ہو تو

اللہ کا حکم ہے کہ جنگی اور دفاعی تیاروں میں لگے رہو۔ ہمارے ہاں اس طرف توجہ نہیں دی گئی۔ تیاریوں کے لئے اپنی نفسانی خواہشات اور لہو و لعب کی قربانی دینی پڑتی ہے جو ہمارے ہاں نہیں دی گئی۔ یہ قربانی سیاسی' فوجی اور دینی قیادت کو دینی ہوتی ہے۔ چونکہ یہ قربانی نہیں دی گئی اس لئے ہمارا سب سے بڑا دشمن اتنا شیر ہو گیا ہے کہ کچھ دن پہلے اس کا ایک جاسوس طیارہ مگ R-25 پاکستان کی فضا میں اڑتا رہا ہے۔ اس سے پہلے ایسے ہی ایک طیارے سے بم پھینکے گئے جو کشمیر کی کنٹرول لائن پر گرے ان کے دھماکے پاکستان کے علاقوں میں بھی محسوس کئے گئے۔ اس کے جواب میں ہماری طرف سے احتجاج اور پنجابی فلموں والی بڑھکوں جیسے بیانات داغے گئے۔ بھارت کی ان جارحانہ کارروائیوں کے باوجود ہمارے ہاں بھارت کے ساتھ دوستی اور امن کے مذاکرات کی باتیں ہو رہی ہیں۔

ہم اپنی رائے پیش کرنے کی بجائے مغربی ممالک کے دفاعی ماہرین کی آراء پیش کرتے ہیں۔ سی این این نے ایک دفاعی ماہر مارٹن رابرٹ کا تجزیہ ٹیلی کاسٹ کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کی فضائیہ کا موازنہ اب اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ ایک بھیڑیے سے ایک میمنے کا سامنا ہے۔ اس ماہر دفاع نے بھارت کو بھیڑیا اور پاکستان کو بھیڑ کا بچہ کہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ بھارت کو یہ جاسوس طیارے مگ آر 25 روس نے دیئے ہیں۔ R-25 جاسوس طیارہ آزاد کشمیر پر بھی اڑتا رہا پھر قصور تک گیا اور وہاں سے اسلام آباد اور کوہاٹ تک پرواز کر کے چلا گیا۔ پاکستان کا راڈار سسٹم اسے دیکھ ہی نہ سکا۔

یہ جاسوس مگ طیارہ ستر ہزار فٹ کی بلندی سے کچھ زیادہ اوپر اڑ سکتا ہے۔ پاکستان کے پاس ایسا کوئی طیارہ نہیں جو اتنی بلندی تک جا سکے۔ دفاعی ماہرین نے کہا ہے کہ امریکہ پاکستان کو F-16 طیارے دے دیتا تو بھارت پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی جرأت نہ کرتا کیونکہ ایف 16 ستر ہزار فٹ بلندی تک جا سکتا ہے۔

دفاعی ماہرین نے کے مطابق' بھارت پہلے چین کی حدود کی خلاف ورزیاں کرتا رہا تھا اور چینی مورچوں کی جاسوسی اس کا مشن تھا اور اس طیارے نے بڑے کام کی تصاویر بھی حاصل کر لی تھیں۔ چین نے پتہ چلنے پر یہ توڑ استعمال کیا کہ ایسے میزائل بنا لئے جو ستر اسی ہزار فٹ کی بلندی تک مار کر سکتے ہیں۔ چین نے یہ میزائل اپنی سرحدوں پر نصب کئے تو بھارت نے چین کی فضائی جاسوسی سے منہ موڑ لیا اور ان جاسوسی طیاروں کا رُخ پاکستان کی طرف کر دیا۔ اس طرح بھارتی فضائیہ پاکستان کے لئے بھیڑیا بن گئی ہے۔

دفاعی ماہرین نے کہا ہے کہ بھارت دراصل اس مگ طیارے کے ذریعے یہ جاسوسی کر رہا ہے کہ پاکستان نے چین سے وہ میزائل لے کر نصب کئے ہوں گے جو ستر اسی ہزار فٹ کی بلندی تک مار کر سکتے ہیں۔ بھارت کے جاسوسی طیارے نے یہ بھی دیکھنا تھا کہ پاکستان کا راڈار سسٹم کہاں تک اور کس حد تک دیکھ سکتا ہے۔

ہماری اپنی فضائیہ کے ماہرین نے کہا ہے کہ ہماری حکومت اگر فرانس کے میراج طیارے ہی خرید

لیتی تو بھارت کے جاسوس طیاروں کا توڑ ہو سکتا تھا... قارئین کرام کو یاد ہو گا کہ کچھ عرصہ پہلے اخباروں میں خبریں آتی رہیں کہ فرانس پاکستان کو چند ایک میراج طیارے قیمتاً دے رہا ہے اور یہ سودا تقریباً طے ہو گیا لیکن ایک روز یہ خبر آئی کہ فرانس میراج طیارے دینے سے پس و پیش کر رہا ہے۔ اندر خانے کی خبر یہ ہے کہ یہ بے نظیر کے دور حکومت کا سودا تھا جو آصف زرداری کر رہے تھے۔ یہ سودا اس لئے طے نہ ہو سکا کہ زرداری صاحب کمیشن زیادہ مانگتے تھے جو فرانس دینے پر آمادہ نہ تھا۔

یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی۔ غیر ممالک کسی کا پردہ نہیں رہنے دیا کرتے۔ کچھ اور مثالیں سامنے آئی تھیں جن میں یہی ہوا کہ زرداری کی زیادہ کمیشن نے سودا نہ ہونے دیا' مثال کے طور پر ہم نے کوریا کے ایک انگریزی اخبار میں یہ خبر دیکھی تھی کہ آصف زرداری وہاں یہ مشن لے کر گئے کہ دوسری بجلی کا ٹھیکہ امریکہ کو دیا جا رہا ہے' کوریا پاکستان میں کوئلے سے بجلی گھر چلائے اور سارے ملک کا ٹھیکہ اسے دیا جائے گا۔ اخبار نے لکھا کہ سودا اس لئے نہ ہو سکا کہ پاکستان کا نمائندہ آصف زرداری اتنی زیادہ کمیشن مانگتا تھا جو کوریا کی متعلقہ کمپنی نہیں دے سکتی تھی۔

فرانسیسی میراج کے بعد بھارتی جاسوسی طیاروں کو دوسرا توڑ ایف 16 طیارہ تھا۔ قارئین کو یقیناً معلوم ہو گا کہ امریکہ نے خاصہ عرصہ گذار کر پاکستان سے ایف 16 طیاروں کی قیمت وصول کر لی تھی' مگر آج تک نہ یہ طیارے دیے ہیں نہ رقم واپس کی ہے۔ پاکستان کی بے بسی دیکھئے کہ ہم لوگ امریکہ کی اس دھاندلی اور دھونس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کھلی غنڈہ گردی ہے۔ لیکن ہماری قیادت اور خصوصاً" پچھلی حکومت امریکہ کے آگے سجدہ ریز رہی اور ایک ہی مطالبہ پیش کرتی رہی کہ ہمیں قرض دلاؤ۔

اب ہماری حکومت کے کرنے کے کام یہ ہے کہ اندرونی جھمیلوں سے نکل کر ملک کے دفاع کی طرف توجہ دے۔ جذباتی بیانات اور تقریروں سے' جانیں قربان کر دینے جیسے نعروں سے ملک کا دفاع مضبوط نہیں ہو جایا کرتا۔ آج کی جنگ میں صرف جذبہ اور شوق شہادت کسی کام نہیں آ سکتا۔ ہمارے دشمن کے پاس ایٹم بم بھی ہے اور یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس کے پاس ایسے طیارے ہیں جو جاسوسی بھی کر سکتے ہیں اور بمباری بھی اور ان کا آپ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ آپ کے پاس توڑ ہے ہی نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمارے پاس اس کا توڑ ہو ہی نہیں سکتا۔

ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہی ملک کے اندر سکون اور چین ہے نہ قانون کو بالادستی حاصل ہے اور قتل' ڈکیتیاں اور پولیس کی دہشت گردی اور عوام دشمنی عروج پر ہے اور نہ ہی ہماری سرحدیں محفوظ ہیں۔ یہ سارے کام ہمیں جنگی بنیادوں پر کرنے پڑیں گے۔

اللہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم اللہ کے ہی قانون اور احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے تو اللہ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ جائے گا۔ پھر (اللہ نہ کرے) قرآن کا یہ فرمان پورا ہو گا کہ میں تم پر کوئی اور قوم مسلط کر دوں گا۔

بشکریہ ماہنامہ حکایت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

ہماری صحافت اور شکوہ ارباب وفا

واقعہ یہ ہے کہ صحافت آج کے دور میں محض لکھت پڑھت کا نام نہیں رہا بلکہ یہ قصر و ایوان سے لے کر خاک افتادگان تک کی سیاسی و سماجی ضرورت بن چکی ہے اس لئے اس کے اثرات ہمہ گیر بھی ہیں اور دور رس بھی! اور اسی باعث اس شعبے کی ذمہ داریاں بھی بہت بڑھ گئی ہیں۔ لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی دنیا اور اربوں انسانوں پر مشتمل آبادی نے جب سے خود کو گلوبل ویلج میں تبدیل کیا ہے اسی لمحے سے ابلاغ اور اس کے ذرائع کو بے حد اہمیت حاصل ہو گئی ہے' اب یہ ممکن نہیں رہا کہ کوئی "مغل اعظم" کسی "انارکلی" کو دیوار میں چنوا دے اور کسی کو خبر تک نہ ہو' اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی تخت نشین ایک شاہی فرمان کے ذریعے اپنے پالنا جھولتے نور چشم کو اپنا وارث سلطنت اور جانشین نامزد کر دے اور رعایا پر اس کی اطاعت واجب اور شیر خوار بچے کا حق حکمرانی ثابت ہو جائے۔ یہ صحافت کا بہت بڑا کنٹری بیوشن ہے کہ اس نے رائے عامہ کی آنکھوں سے پٹی اتار دی ہے اور کانوں سے کاگ نکال دیئے ہیں۔ اب رائے عامہ کو رات کے اندھیرے میں چکنے سیاہ پتھر پر رینگنے والی چیونٹی نظر بھی آجاتی ہے اور اس کی آہٹ بھی سنائی دیتی ہے' اگلے وقتوں میں تو ہاتھی کسی کو روند کر چلا جاتا تھا نہ کوئی اس کی چنگھاڑ سن پاتا اور نہ اس کی لتاڑ دیکھ پاتا تھا۔

آج صحافت لوگوں کی بصارت اور سماعت کا مترادف بن چکی ہے' ہماری جمہوری مملکت کے تین ستون جس زبوں حالی کا شکار ہیں اہل دانش و بصیرت اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ چوتھے ستون یعنی صحافت کی بدحالی کے اسباب بھی وہی ہیں جنہوں نے انتظامیہ کو کام چور اور بد عنوان' مقننہ کو بازیچۂ اطفال اور میوزیکل چیئر اور عدلیہ کو زیر بار اور رُوبہ زوال کر رکھا ہے۔

صحافت پہلے تین ستونوں کی کمزوری سے پیدا ہونے والی صورتحال کا تنہا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے' تاہم گناہوں کے سمندروں میں' نیکیوں کے جزیرے ہر دور میں پائے اور ہر شعبے میں موجود ہوتے ہیں۔ سنجیدہ صحافت آج بھی خون جگر سے مثبت اقدار اور حیات بخش پیغام کے بوٹے پال رہی ہے' اور باکردار صحافی آج بھی ضمیر کا علم اٹھائے فراعنۂ عصر کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں مصروف ہیں۔ قلم کی حرمت کے لئے سر قلم کرانے کی مثالیں ابھی باقی ہیں۔ باضمیر صحافی سچ اور پورے سچ کی خاطر اپنی ترقیوں اور ملازمتوں کو خطرے میں ڈال لیتے ہیں۔ جری اور بے باک مالکان جرائد حکومت سے اشتہارات کی بندش اور ڈکلریشن کی منسوخی تک کے خطرات مول لے لیتے ہیں۔ اسی طرح جرأت مند اور پیشہ ورانہ امانت کے حامل رپورٹر بھی صحیح خبریں لانے کے لئے جنگ زدہ علاقوں میں بے خوف و

خطر گھس جاتے ہیں۔ جان سے جانے یا زخم کھانے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ محکمانہ بدعنوانیوں اور اخلاقی سیکنڈلوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش میں خاموشی سے " حادثے " کا شکار ہو جانے کی پروا بھی نہیں کرتے۔

لیکن صحافتی تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے کاش وہ بھی رُخِ زیبا ہوتا۔ اس وقت ہمارا معاشرتی نظام اور ہمارا سیاسی استحکام جس گردابِ بلا میں ہے سب سے زیادہ اس کا اندازہ اہلِ خبر و نظر یعنی اربابِ صحافت کو ہے اور ہونا چاہئے، لیکن کیا ہمارا مجموعی صحافتی کردار اپنی معاشرتی و سیاسی تنظیم کو اس بھنور سے نکالنے کے لئے ادا ہو رہا ہے یا دو چار اور غوطے دینے میں لگا ہوا ہے؟

ہمارے خیال میں جس شخص کو پہلی بار کوئی خبر یا اطلاع دینے کی سُوجھی ہو گی اس کے سامنے ایک مشنری سوچ ہو گی، مگر جب سے صحافت نے ترقی پاکر خود کو انڈسٹری کی سطح پر پہنچایا یوں معلوم ہوتا ہے کہ ترجیحات بالکل اُلٹ کر رہ گئی ہیں۔

ماضی قریب میں صحافت کے حوالے سے کتنے عظیم الشان اور لائق احترام نام ہیں کہ جب بھی لب پر آتے ہیں بے اختیار سر تعظیم کو جھک جاتے ہیں، جمال الدین افغانیؒ " العروۃ الوثقیٰ " کے مدیر ان کا پرچہ کیا تھا، ایک شعلۂ جوالہ تھا۔

سر سید احمد خاںؒ نے " تہذیب الاخلاق " کے ذریعے نسلِ نو کے ذہنی نشو و نما کا کام کیا، محض تفریح طبع ان کا مقصد نہیں تھا۔

مولانا ابو الکلام آزادؒ کا " الہلال " اور " البلاغ " صورِ اسرافیل کی طرح برصغیر ہند میں گونجا، مولانا ظفر علی خانؒ کا " زمیندار " محض صحافتی و سیاسی مجلّہ نہیں ایک للکار اور ایک پکار تھا، مولانا محمد علی جوہرؒ کا " ہمدرد " جہاں گرد اور زرد پرچہ نہیں تھا بلکہ صحیح معنوں میں قوم کا درد بانٹتا تھا۔ یہ سبھی لوگ اس مشن میں فاقے سے لے کر کال کوٹھڑی تک پہونچے لیکن اب اس راستے میں کوئی فاقہ نہیں آتا اور کال کوٹھڑی کی جگہ طویل و عریض کوٹھی میسر آ جاتی ہے۔

ایک زمانہ تھا اور وہ بہت زیادہ دُور کا بھی نہیں، جب کوئی مالک اور مدیر کسی عورت کے اغواء کی خبر چھاپنا جرم سمجھتا تھا، اب یہی خبریں اخبارات کے دو تہائی اور انتہائی اہم حصوں پر غالب ہوتی ہیں۔ خبر کی آڑ میں پوری منظر کشی اور الفاظ کے پردے میں ہیجان انگیزی اس پر مستزاد! آخر یہ انقلاب معکوس کیوں کر برپا ہوا؟ بعض صحافتی سیانے یہ کہتے ہیں کہ جب سے " پروفیشنل جرنلزم " کی اصطلاح وضع ہوئی ہے تب سے صحافت ایک پیشہ بن گئی ہے اور پیشے میں پیسے کو دیکھا جاتا ہے کسی بات کے ایسے ویسے ہونے کا خیال نہیں کیا جاتا، خبر بس خبر ہے اگر چٹ پٹی ہے تو اسے ہر حال میں شائع ہونا چاہئے، خواہ کسی کے آئینۂ عزت میں بال آئے یا کسی کے دلِ پاک باز میں ملال اترے۔

اس سوال کا جواب غالباً یہی ہو گا، اور دیا جاتا ہے کہ ہم کیا کریں قارئین جو پڑھنا اور دیکھنا

چاہتے ہیں ہم تو دراصل ان کی رائے کا عکس اور پسند کا مظہر ہیں اور زیڈ اے سلیری جیسے بزرگ صحافی تک یہ کہتے ہوئے پھسل جاتے ہیں کہ اخبارات کے لئے نہ کوئی ضابطۂ اخلاق ہونا چاہیے اور قدغن نہ سرکولیشن ہی معیار کی ضمانت ہے۔ اگر واحد معیار یہی ہے تو کل کو ہیروئن فروش بھی کہہ سکتے ہیں کہ عوام کی ڈیمانڈ نہ ہو تو ہمیں ہیروئن بیچنے کی کیا پڑی ہے؟ اتنی قدغنوں' بندشوں اور سزاؤں کے باوجود روز بروز یورپ ہو یا ایشیا نشے کی ڈیمانڈ بڑھ رہی ہے' تو کیا اس پیشے کو جواز عطا کیا جا سکتا ہے؟

ظاہر ہے کوئی بھی معقول اور ہوش مند آدمی اس کی حمایت نہیں کر سکتا۔ عوام کی ڈیمانڈ واحد معیار اور معیار کی ضمانت نہیں بلکہ یہ صحافت کا فرض ہے کہ وہ اپنے قارئین کا مذاق سنجیدہ اور مزاج پاکیزہ بنائے' ورنہ جو چیز بازار میں دستیاب ہو گی لوگ وہی لیں گے' اس لئے کہ اونچائی چڑھنے کے لئے زور لگتا ہے نیچے لڑھکنے کے لئے صرف ہاتھ پاؤں ڈھیلے کرنے پڑتے ہیں باقی سارا کام کشش ثقل خود کر لیتی ہے۔ اسی طرح اخلاقی تربیت میں زور لگتا ہے' بگاڑنے میں کوئی سخت کوشی نہیں صرف چشم پوشی درکار ہوتی ہے باقی مراحل انسان کی حیوانی جبلت خود طے کرا دیتی ہے' تمام علمائے مذہب اور نفسیات اس پر متفق ہیں۔

بعض اوقات پورے کا پورا رنگین صفحہ کسی نوخیز ایکٹریس کی تصویر کے لئے وقف ہوتا ہے' کسی بڑے سے بڑے سائنس دان اور مخلص سیاستدان اور ماہر تعلیم کے نصیبوں میں کبھی اس طرح پورا صفحہ نہیں آتا' آخر یہ طرزِ صحافت کس کی ڈیمانڈ ہے؟ اور کون سی قومی ضرورت کا حصہ؟ اگر رفتار یہی رہی تو لوگوں کا مزاج اسی طرح بگڑتا رہا تو کل کو " پیپر جرنلزم " کی جگہ صرف " ویڈیو جرنلزم " رہ جائے گی اس لئے کہ اخبار پڑھنے کو کوئی قاری نہیں بچے گا صرف تصویر دیکھنے والے ناظرین رہ جائیں گے۔ اس کے اثرات اب آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے ہیں کہ نسلِ نو کے لئے خالد بن ولیدؓ' محمد بن قاسمؒ' طارق بن زیادؒ' صلاح الدین ایوبیؒ' نور الدین زنگیؒ' سراج الدولہؒ' سلطان ٹیپوؒ' قائد اعظمؒ' حسرت موہانیؒ' ظفر علی خانؒ' محمد علی جوہرؒ اور دوسرے اکابر اجنبی بنتے جا رہے ہیں اور محض کھلاڑی اور ایکٹر ہیرو کی جگہ لے رہے ہیں۔

سیاسی خبر اور پالیسی کے حوالے سے تو مالکان اور مدیران پر حکومتی دباؤ ہو سکتا ہے لیکن سنسنی خیزی اور فلمی ماحول پیدا کرنے کے لئے تو کسی حکومت اور با اثر طبقے کا دباؤ نہیں ہے' ہمارے نزدیک ایک ضابطۂ اخلاق انتہائی ضروری ہے۔ مالکان و مدیران اس کی پابندی کریں اور اپنے عملے سے پابندی کرائیں' تاکہ کوئی بھی ایسی تصویر جو سفلی جذبات ابھارے اور اخلاقی پستی کا ماحول پیدا کرے اس کی اشاعت سے گریز کیا جائے۔ اسی طرح لسانی' اور مذہبی گروہوں کو " ہائی لائٹ " کرنے سے گریز برتا جائے۔ خبر نہیں ہو گی تو وہ خود بخود غار فراموشی میں اتر جائیں گے جب انہیں اپنے کارناموں کے صلے میں چمکتی دمکتی سرخیاں ملتی ہیں تو ان کے حوصلے بڑھنے اور ارمان انگڑائی لینے لگتے ہیں' آخر شہرت کس کو اچھی نہیں لگتی۔

اسی طرز پر کسی سنگین واقعہ اور جرم سے ہٹ کر معمول کے جنسی جرائم اور وارداتوں کو کم سے کم کوریج ملنی چاہئے' اور جس علاقے میں وقوعہ ہو صرف اسی ڈاک ایڈیشن میں اس کا تذکرہ ہو اور اخبار میں "کرائم کارنر" الگ اور غیر نمایاں ہو' پورے اخبار پر جرائم حاوی اور غالب نظر نہ آئیں۔ اخبار کے قارئین کا صرف ایک مخصوص حلقہ نہیں' اخبار سمندر پار بھی جاتا ہے' غیر ملکی سفیر بھی پڑھتے ہیں اور گھروں میں مائیں' بہنیں اور بیٹیاں بھی پڑھتی ہیں' بالغ مزاج اور کچے ذہن سبھی اپنی اپنی سطح پر اس کا اثر لیتے ہیں' اور یہ اثر ہر شکل میں منفی ہوتا ہے' مثبت ہرگز نہیں۔

صحافت کو فی الواقع تربیت گاہ کا درجہ حاصل ہو' نمائش گاہ کا نہیں کہ ہر چیز سٹال کی زینت بنے اور اس کے خریدار پیدا کئے جائیں۔ یہ فریضہ قومی بھی ہے اور دینی بھی! معاشرتی بھی ہے اور اخلاقی بھی! شخصی بھی ہے اور اجتماعی بھی!

آپ طلوع اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

☆- اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنائیے

☆- اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے

☆- کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر منگائے

ممکن ہو تو اپنے علاقے سے طلوع اسلام کے لئے اشتہار مہیا کیجئے

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
پشت پر	800 روپے	6000 روپے
اندرونی صفحات	600 روپے	5000 روپے
اندرونی صفحات		
پورا صفحہ	500 روپے	4000 روپے
نصف صفحہ	300 روپے	2000 روپے
چوتھائی صفحہ	150 روپے	

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔
اجرت اشتہار مسودہ کے ساتھ پیشگی ہونی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالغفور محسن (کوئٹہ)

کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ۔۔۔

خدا کسی سے ناراض یا خوش نہیں ہوتا۔ اس کی صفت صمدیت ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے بلند ہے۔ یہ تصور کہ وہ خوش ہو کر بے حد و حساب بخش دیتا ہے یا ناراض ہو کر تباہ و برباد کر دیتا ہے' درست نہیں۔ زندگی عمل سے بنتی ہے۔ مقدر نتیجہ ہے ان اعمال کا جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ظہورِ نتائج سے پہلے ایک وقفہ مہلت کا ہوتا ہے۔ جو مہلت کے اس وقفہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے غلط اقدام کی تلافی کر لیتے ہیں وہ غلط اعمال کے مہلک اثرات سے بچ جاتے ہیں اور جو اپنی غلط روش پر قائم رہتے ہیں' تباہی و بربادی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ دور کیوں جائیں۔ مسلمانوں کی اپنی تاریخ شاہد ہے کہ جب غلط روی ان کا شعار بن گئی تو کہیں چنگیز خان ان پر چڑھ دوڑا اور کہیں یورپی اقوام کی انتقامی کارروائیاں ان کی شکست و ریخت کا باعث بن گئیں۔ ہم اپنے حالات پر غور کریں تو حالت اس وقت یہ ہے کہ :

1۔ فرقہ واریت کا دیو کلاشنکوف ہاتھ میں لئے ننگا ناچ رہا ہے۔
2۔ دوسروں کی کردار کشی سکّہ رائج الوقت بن چکی ہے۔
3۔ خود ساختہ مذہبی اور سماجی رسوم کی اصلاح پر توجہ دی جائے تو ہاہا کار مچ جاتی ہے۔
4۔ ٹیکس چوری معمول بن چکی ہے۔
5۔ صحافت کے نام پر شرافت کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔
6۔ پانی کے ذخائر دم توڑ رہے ہیں۔
7۔ احتساب کا عمل اس صدی کا سب سے بڑا مذاق بن کر رہ گیا ہے۔
8۔ ایک طرف غربت کا رونا ہے تو دوسری طرف بڑے بڑے پلازوں' سپر سٹوروں اور مصنوعی زندگی کے لوازمات کی بھرمار ہے۔
9۔ عوام زندگی کے مقصد سے بے بہرہ ہیں اور مصلحین اپنی ہی انا کے گرداب میں سرگرداں ہیں۔

یہ صورتِ احوال نمونہ مشتے از خروارے ہے ورنہ حالت یہ ہے کہ:

سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

سوال یہ ہے کہ اس صورت حال سے نکلنے کا حل کیا ہے؟ اس کا حل نہ ملک کو فوج کے حوالے کرنے میں ہے کہ وہ بھی کر کے دیکھ چکے ہیں' نہ ملک کو پولیس سٹیٹ بنانے میں ہے کہ اس کا مزہ بھی

پکڑ لیا۔ اس کا حل نہ مصلحین قوم کے پاس ہے نہ مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں کہ وہ خود ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف ہیں۔ اس کا حل نہ گھر کا اثاثہ بیچ کر "ڈنگ ٹپانے" میں ہے نہ غیر ملکی سرمایہ کاروں پر اپنے دروازے وا کرنے میں' اس کے نتائج ہم 1857ء سے بھگت رہے ہیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ قوم کا کوئی مصلح روح عمرؓ سے لے کر سامنے آئے اور وہ بھی اس طرح کہ قوم کا ایک ادنیٰ فرد اس سے یہ پوچھ سکے کہ یہ قمیض جو تو نے پہن رکھی ہے کیا یہ اسی ایک چادر سے بنی ہے جو سب کے حصہ میں آئی تھی؟ اس کا حل اس امیر مملکت کے ہاتھ میں ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں گندم کی روٹی اس دن کھاؤں گا جس دن مجھے یہ یقین ہو جائے گا کہ گندم کی روٹی مملکت کے ہر فرد کو میسر ہے۔ ان مشکل مسائل کو وہی حل کر سکتا ہے جو اپنے ذاتی کام کے لئے سرکاری دیا بجھا دے۔ قتل و غارت گری وہی روک سکتا ہے جو یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہو کہ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر قاتل کی گردن نہ اُڑائی گئی تو وہ بستی جس میں قتل ہوا ہے پوری کی پوری تہہ تیغ کر دی جائے گی۔ فرقہ واریت ہو یا دہشت گردی' چوری ہو یا ڈاکہ زنی' یہ کس کے مشاغل ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ یہ چور' یہ ڈاکو' یہ دہشت گرد اور یہ "کن ٹٹے" جمہوریت کے کسی **بزر جمہر** کے پروردہ ہیں یا ملک کے با اثر رسہ گیروں کے محافظ۔ غریب اور بے سہارا لوگ اگر ڈاکو بننے کا خواب دیکھتے تو میاں محمد نواز شریف کے حلقہ انتخاب کی بستی سنت نگر کا کاشف علی غربت اور بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ آ کر پنکھے سے لٹک کر جان دینے کی بجائے اپنے ملک کے کسی ٹاپ مین کا آلہ کار بن کر خوشحال بن چکا ہوتا۔ عجیب اتفاق ہے کہ بھرے شہر میں ایک بچہ دودھ کے لئے تڑپتا رہا۔ غریب باپ صدمے کی تاب نہ لا کر دم توڑ گیا۔ کس کس کے سامنے اس نے فریاد نہ کی ہو گی۔ کس کس کے در دولت پر اس نے حاضری نہ دی ہو گی۔ لیکن دجلہ کے کنارے ایک کتے کی موت پر لرز جانے والے نگہبانوں کے وارثین اور مملکت پاکستان کے بے تاج بادشاہوں کے کان پر جوں تک نہ **رینگی**۔ اخبار کے کسی کونے میں ایک چھوٹی سی خبر چھپی اور پولیس نے خودکشی کا مقدمہ درج کر لیا۔ ہماری مشکلات کا حل یقیناً" ممکن ہے اگر ہمارے دانشوروں میں سے کوئی یہ کہنے کی جرات کرتا کہ مجرم کاشف علی نہیں جو از خود پھانسی پر لٹک گیا۔ مجرم وہ ہے جس کی غفلت سے وہ یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوا۔ کہنے کو ہم مسلمان ہیں۔ تھوڑی بہت نسبت قرآن سے بھی رکھتے ہیں لیکن ہمارا طرز عمل ان یہودیوں جیسا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کو گھروں سے نکال دیتے اور جب وہ گرفتار ہو جاتے تو ان کا معاوضہ دے کر انہیں چھڑا لاتے تاکہ ہمیشہ کے لئے وہ ان کے زیر بار احسان رہیں (اور ان کی واہ واہ بھی ہو جائے) یہی حال ہمارے سیاستدانوں کا ہے۔ 50 سال سے وہ اس ملک پر حکمران ہیں۔ پچاس سال سے قوم ظلم و بربریت کی شکار ہے۔ یوں تو کون سا لمحہ ہے جو ملک کے غریب شہریوں نے چین سے بسر کیا ہو گا' لیکن کوئی واقعہ جب اخبار میں آجاتا ہے تو یہ اپنی سیاست کی دکان چمکانے کے لئے وہاں پہنچ جاتے ہیں اور کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں کہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری حضور آپ

کی تھی' بعد از مرگ واویلے سے اب کیا حاصل ؟

ہماری مشکلات کا حل اسی میں ہے کہ کوئی ایسا بطل جلیل ہو جس کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے ہاتھ میں تلوار (قوت نافذہ) اور وہ بہانگ دہل پکار کر کہے کہ ملک میں کوئی کتا بھی بھوک سے مرگیا تو اس کی ذمہ دار مجھ پر ہو گی۔ یہ ہو گی اسلام کی حکمرانی۔ اگر یہ ہوا' تو اسلام ہے ورنہ ہماری ساری تگ و تاز شرار بولہبی کی آبیاری تک محدود ہو کر رہ جائے گی اور ہم ظلم کی چکی میں اسی طرح پستے رہیں گے۔

❁ ❁ ❁

پمفلٹس -- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس بحساب ایک روپیہ فی پمفلٹ' علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

1- دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے
2- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
3- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے
4- الصلوۃ
5- تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک
6- الزکوۃ
7- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
8- مرزائیت اور طلوع اسلام
9- کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے
10- اسلامک آئیڈیالوجی
11- اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (10 روپے)

درج ذیل پمفلٹ زیر طباعت ہیں

1- نظریہ پاکستان کیا گزری
2- مقام محمدیؐ
3- عورت قرآن کے آئینے میں
4- وحدت ملت
5- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
6- احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
7- سوچا کرو
8- جہاں مارکس کا ناکام رہ گیا
9- ISLAMIC IDEOLOGY
10- کافر گری
11- ہندو کیا ہے؟
12- مرض تشخیص اور علاج

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی

بجواب اشراق - مزید برآں

علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کے مضمون کے بعد جو جون 97ء کے طلوع اسلام میں شائع ہو چکا ہے' کسی مزید وضاحت کی اگرچہ ضرورت نہ تھی لیکن بحث کا آخری بند چونکہ پہلے بھی عبداللہ ثانی صاحب ہی نے لکھا تھا اس لئے قارئین کا تقاضہ تھا کہ حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے ان کو بھی سن لیا جائے لہٰذا عجلت میں لکھا گیا محترم ثانی صاحب کا مقالہ حاضر خدمت ہے۔ مدیر مسئول

ہمارا خیال تھا کہ کئی ماہ گذرنے کے بعد یہ قلمی جنگ بالکل اسی طرح اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکی ہو گی جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے درمیان جنگ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی تھی۔ لیکن ماہنامہ اشراق کی مئی 97ء کی اشاعت میں " طلوع اسلام کا جواب " کے عنوان سے طالب محسن صحاب کا تبصرہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ اسے تشنگی علم قرار دیں یا کج بحثی سمجھ کر خاموش ہو جائیں۔ لیکن بات چونکہ قرآن کے حوالہ سے کی گئی ہے اور اس کی تائید میں بڑے بڑے نام لئے گئے ہیں اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی سابقہ تحریروں میں زیر بحث مسئلہ کی پوری طرح وضاحت نہ کر پائے ہوں' اس لئے کج بحثی سے دامن بچاتے ہوئے ہماری کوشش ہو گی کہ بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

جناب طالب محسن صاحب لکھتے ہیں !

" زیر بحث مقام کا ایک لفظ " نملہ " ہے۔ ہم ایک لمحے کے لئے مان لیتے ہیں کہ " نمل " کوئی انسانی قبیلہ تھا۔ ان لوگوں نے یہ نام اسی طرح اختیار کیا جس طرح بنی کلاب اور بنی اسد وغیرہ نے اپنے لئے جانوروں کے ناموں کو پسند کیا تھا لیکن ایک الجھن اب بھی باقی ہے اور وہ یہ کہ ان قبیلوں کے ایک فرد کا ذکر کبھی " اسد " یا " کلب " کے لفظ سے نہیں کیا جاتا۔ یہ ایک نادر بات ہے کہ قرآن مجید میں " نمل " قبیلے کی ایک عورت کا ذکر " **نملة** " کے لفظ سے کیا گیا ہے ۔ عربی زبان کا معروف قاعدہ ہے کہ قبیلے کے ایک فرد کا ذکر اسم نسبت سے کیا جائے۔ یہاں یہ قاعدہ ملحوظ نہیں ہے۔ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر یہ کسی قبیلے کا تذکرہ ہوتا تو لازماً" اسم نسبت استعمال کیا جاتا۔ چونکہ یہاں اسم نسبت استعمال نہیں کیا گیا لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ لفظ اپنے لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔"

جواباً" عرض ہے کہ :

اس سورۃ کا نام ہی نمل ہے۔ پھر حسن اتفاق سے چیونٹی اردو میں بھی مونث کے صیغے میں استعمال ہوتی ہے۔ کم از کم آج تک میں نے یہ نہیں سنا کہ وہ دیکھو چیونٹا پھر رہا ہے یا چیونٹا اپنے بل سے نکل آیا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چیونٹیوں میں نر اور مادہ دونوں ہوتے ہیں۔ مثلاً **مچھلی** ہمیشہ مونث کے صیغے میں استعمال ہوتی ہے۔ بڑی سے بڑی **مچھلی** کو بھی مچھلا نہیں کہا جائے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مچھلیوں میں مذکر نہیں ہوتے۔ اسی طرح نمل جمع مذکر ہے جب کہ اس کا واحد " **نملة** " ہے جو مونث کا صیغہ ہے۔ مفردات راغب سے اقتباس پیش خدمت ہے۔

(نمل) قولہ قالت نملة یا ایھاالنمل ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو !۔ طعام منمول۔ چیونٹیوں والا کھانا۔ " **نملة** " پہلو کا ایک پھوڑا جو چیونٹی کی شکل کا ہوتا ہے۔ جانور کے کھر کا چیر۔ **فرس نمل القوائم** پتلی ٹانگوں کا گھوڑا۔ نمل ۔ چغلی کے لئے استعارہ ہے جو چیونٹی کے چلنے سے تشبیہ ہے۔ (کبھی مشاہدہ فرمائیں یہ عام طور پر ایک ہی لکیر میں کام کرتی ہیں اور اسے لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کو کچھ کہہ کر آگے بڑھتی ہیں۔ راقم) **ھو نمل و ذو نملة** وہ چغل خور ہے۔ **نمال**۔ چغل خور۔ **تنمل القوم** لوگ چیونٹیوں کی طرح جمع کرنے کے لئے متفرق بے ترتیب ہوئے اسی بنا پر کہتے ہیں **اجمع من نملة** وہ چیونٹیوں سے زیادہ اکٹھا کرنے والا ہے۔ **انملة جمع انامل** ۔ سرانگشت' پورا۔ (صفحہ 438)

صاحب تاج و قاموس کے نزدیک وادی النمل ' جبرین اور عقلان کے درمیان ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ ارض شام ہے۔ لیکن اگر یہ وادی اس راہ گزر پر واقع تھی جو ملکہ سبا کے ملک کی طرف جاتی تھی تو اس کا محل وقوع یمن کے نواح میں ہو گا۔ بہرحال " وادی نمل " چیونٹیوں کی جگہ نہیں بلکہ ایک قبیلہ کا مسکن ہے اور النمل اس قبیلہ کا نام اور **نملة** اس قبیلہ کی عورت۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ملک سبا کی حکمران ایک عورت تھی (جس کا نام بلقیس بتایا جاتا ہے تاہم تاریخی نام ہے قرآن کریم نام کی تائید نہیں کرتا)۔ پھر اگر ایک ملک کی سربراہ ایک عورت ہو سکتی ہے تو اس کے قرب و جوار میں کسی قبیلہ کی سردار بھی عورت ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک کی وزیر اعظم عورت رہی ہے اور اس وقت کابینہ میں ایک عورت کے پاس محکمہ خوراک ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دو سو سال کے بعد لوگ یہ سمجھ بیٹھیں کہ کسی خاتون وزیر اعظم کی مثال موجود نہیں کیونکہ جس خاتون کا نام لیا جاتا ہے وہ وزیر اعظم نہیں بے نظیر تھیں اور بے نظیر کا مطلب ہے جس کی مثال نہ ہو۔ ہمارے ہاں پٹھانوں میں سینکڑوں قبیلے ہیں۔ مثلاً" افریدی' شنواری' مہمند' خلیل اور یوسف زئی وغیرہ۔ ان میں پھر چھوٹے چھوٹے سینکڑوں ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ ایک افریدن یا شنوار نے کہا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ شنواری قبیلہ کی ایک عورت نے کہا تاہم مہمندن' یوسف زن' غیر فصیح ہو گا۔ اسی طرح عربی میں بنی کلاب یا بنی اسد کی عورت کے لئے آپ یائے نسبتی نہیں لگا سکتے جب کہ نمل کے لئے آپ آسانی سے یائے نسبتی لگا کر یا **ایھاالنمل** (اے قبیلہ نمل کے لوگو) کہتے ہیں۔ اب ذرا آگے بڑھیں تو یہی یائے نسبتی مزید وضاحت کر دیتی ہے جب کوئی

مخصوص قبیلہ نہ ہونے کے باوجود صرف ایک ٹولہ جو چند سرداروں پر مشتمل تھا ان کے لئے بھی یائے نسبتی لگا کر بات واضح کر دی۔

قالت یایھاالملوا انی القی الی کتب کریم ○ 27/29

مفہوم : ملکہ نے وہ خط پا کر اپنے سرداروں سے کہا اے سرداران ! مجھے ایک ایسا خط ملا ہے جو بڑے ہی شریفانہ انداز میں لکھا ہے۔

اس طرح **ملو** یعنی سرداران قوم کے ساتھ **یا ایھا** کی نسبت خطاب کئی مقامات پر آئی ہے۔ اسی طرح اگر ہم ایک بار یہ تسلیم کر لیں کہ نمل ایک قبیلہ تھا تو پھر اس کی عورت یقیناً **نملہ** ہی ہو گی۔ کم از کم عورت چیونٹا یعنی مذکر نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا ہے کہ عربی زبان کا معروف قاعدہ ہے کہ قبیلے کے ایک فرد کا ذکر اسم نسبت سے کیا جائے۔ یہاں پر یہ قاعدہ ملحوظ نہیں ہے۔

محترم ! ادب کی دنیا میں سینکڑوں مقامات ایسے آتے ہیں جہاں بات کو سمجھانے کے لئے کسی معروف قاعدے کو ایک لحہ کے لئے ایک طرف کرنا پڑتا ہے۔

آیئے ایک اور اسم نسبت کا حوالہ دیکھتے ہیں۔ صحب (ص-ح-ب) مادہ ہے' جسے اردو میں ہم صاحب کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا جمع اصحاب ہے۔ یہ کتنا معزز لفظ ہے لیکن قرآن کریم میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ظاہر ہے اصحاب کے ساتھی اصحاب ہی ہوں گے۔ اصحاب کہتے ہی ساتھی کو ہیں۔ سورہ انعام کی آیت 71 کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

- " اور اس کے ساتھی اسے آوازیں دے رہے ہوں گے کہ تو کدھر چلا گیا۔ ادھر ہماری طرف آ "

دوسری جگہ فرمایا۔ (سورہ شعرا' آیت نمبر 61)۔ " جب فریقین نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا کہ لو ! ہم پھنس گئے " موسیٰؑ ایک برگزیدہ نبی تھے جو انسان تھے ان کے ساتھی بھی انسان ہی ہوں گے۔ قرآن کریم میں **اصحاب** کا لفظ 78 مقامات پر آیا ہے جس میں اسم نسبت " والے " کے معنی میں وارد ہوا ہے۔ **اصحاب النار** سے لے کر **اصحاب الجنہ** تک **اصحاب الکھف** سے لے کر **اصحاب الصراط السوی** تک اور **اصحاب الرس** سے لے کر **اصحاب السعیر** و **اصحاب القبور** تک استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ عربی کے معروف قاعدے سے ہٹ کر ایک نہیں کئی نادر مواقع اسم نسبت کے فراہم کئے گئے ہیں۔

قرآن کریم کا ادبی انداز انسانی ادبی انداز سے ماورا ہے۔ ظاہر ہے جس کتاب کا یہ دعویٰ ہو کہ کوئی ہے جو اس کی مثل لائے اور اس کے جواب میں عالم ادب حیرت کا نشان بن جائے اس کتاب کے متعلق یہ رائے قائم کرنا کہ معروف قاعدے سے ہٹ کر نادر موقع فراہم کیا گیا ہے خود ایک نادر بات ہے۔

اگر ایک شخص آ کر یہ کہے کہ مچھیروں کے قبیلہ کی مچھیرن نے کہا کہ اے مچھیرو ! حکومت نے مچھلیوں

کے شکار پر پابندی لگا دی ہے۔ سوچو ! ہمیں کیا کرنا چاہیے' تو اس میں کون سی غلطی ہے۔

محترم طالب محسن صاحب نے آخر میں مولانا حمید الدین فراہیؒ اور ان کے شاگرد رشید صاحب "تدبر قرآن" مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ذکر خیر کیا ہے۔ جو کچھ یوں ہے۔

" ہمارے اس زمانے میں امام تفسیر مولانا حمید الدین صاحب فراہی اور ان کے شاگرد رشید صاحب "تدبر قرآن" مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ایک مرتبہ پھر سلف صالحین (صحابہ و تابعین) کے طریقے پر قرآن مجید کے فہم کو زندہ کیا ہے۔ صحابہ اور تابعین کے دور دین اور دین کے فہم کا خیرالقرون تھا۔ ہم اسی کا احیا چاہتے ہیں۔ "

پہلے تو ہمارے نزدیک' مولانا' مفسّر' اور اس قسم کے بے شمار خطابات رواجاً بھی درست نہیں۔ ہم یہ بھی نہ کہتے مگر سورۃ یوسف کی چالیسویں آیت میں اس قسم کے خطاب نوازی کی وضاحت کچھ اس طرح کی گئی ہے :۔

" بس یہی صورت ایک خدا کی اطاعت اختیار کرنے والوں کی' اور ان کے مقابلہ میں ان کی ہے جو مختلف آقاؤں کو اپنا خدا مانیں۔ تم لوگ مختلف خداؤں کے سامنے جھکتے ہو۔ کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ ان خداؤں کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے ۔ ؟ بس اتنی ہی کہ یہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں۔ ورنہ ان کی اپنی کوئی حقیقت اور پوزیشن نہیں۔ (تم سے کہا جاتا ہے کہ یہ خدا کے نمائندے ہیں یہ بھی غلط ہے) خدا نے ان کے لئے کوئی سند نہیں بھیجی (کہ اس نے انہیں اپنے اختیارات دے رکھے ہیں) یاد رکھو ! اختیارات و اقتدارات کا واحد مالک خدا ہے۔ اس کے سوا حکومت کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی حکومیت اور اطاعت اختیار نہ کی جائے۔ یہ زندگی کا محکم اور استوار نقشہ۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے "

پرویزؒ صاحب اس قسم کے خطابات کے کبھی آرزو مند نہ تھے وہ خود کو قرآن کریم کا طالب علم کہتے رہے اور کبھی اپنے آپ کو سند قرار نہیں دیا۔

مجھے حمید الدین فراہیؒ صاحب کے متعلق زیادہ علم نہیں' البتہ ان کے شاگرد رشید صاحب "تدبرالقرآن" امین احسن اصلاحیؒ کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ مرحوم ایک لمبے عرصے تک جماعت اسلامی کے ساتھ وابستہ رہے۔ اندرونی اختلافات خدا ہی بہتر جانتا ہے تاہم اتنا عرض کرتا ہوں کہ " منیر کمیشن 1953ء " میں ان کو عدالت میں" مسلمان کی تعریف" کرنے کو کہا گیا تھا۔ ان کے علاوہ ملک کے مایہ ناز سب کے سب " مولانا " صاحبان اور بھی تھے۔ جن میں جماعت اسلامی کے سرخیل مودودی صاحب بھی تھے۔ ان سب کو ایک ہی سوال دیا گیا کہ مسلمان کی تعریف کیجئے۔ کسی کا جواب آپس میں نہیں ملتا تھا۔ اسی لئے کہ تمام جوابات غلط تھے۔ غلط جوابات سینکڑوں ہوتے ہیں جب کہ صحیح جواب ایک

ہی ہوتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا جواب پیش خدمت ہے ۔ (منیر کمیشن رپورٹ 1953ء صفحہ۔ 232)

سوال ۔ مسلمان کون ہے ؟

(جواب منجانب اصلاحی صاحب)مسلمان کی دو قسمیں ہیں ایک سیاسی مسلمان دوسرے حقیقی مسلمان' سیاسی مسلمان کہلانے کی غرض سے ایک شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ :

1۔ توحید الٰہی پر یقین رکھتا ہو۔

2۔ ہمارے رسول پاکؐ کو خاتم النبین مانتا ہو۔ یعنی اپنی زندگی کے متعلق تمام معاملات میں ان کو آخری سند تسلیم کرتا ہو۔

3۔ ایمان رکھتا ہو کہ ہر خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

4۔ روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔

5۔ قرآن مجید کو آخری الہام الٰہی یقین کرتا ہو۔

6۔ مکہ معظمہ کا حج کرتا ہو۔

7۔ زکوۃ ادا کرتا ہو۔

8۔ اسلامی معاشرے کے ظاہری قواعد کی تعمیل کرتا ہو۔

9۔ روزہ رکھتا ہو۔

جو شخص ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہو وہ ایک اسلامی مملکت کے پورے شہری کے حقوق کا مستحق ہے۔ اگر وہ ان میں سے ایک شرط پوری نہ کرے گا تو وہ سیاسی مسلمان نہ ہو گا۔ پھر کہا۔ اگر کوئی شخص ان دس امور پر ایمان کا محض اقرار ہی کرتا ہو۔ ان پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے۔ حقیقی مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کے تمام احکام پر عین اسی طرح ایمان رکھتا ہو اور عمل کرتا ہو جس طرح وہ احکام و ہدایات اس پر عائد کئے گئے ہیں۔

اتفاق سے مسلمان کی باقی علمائے کرام نے جو تعریفیں کیں اصلاحی صاحبؒ کی تعریف سب سے لمبی تھی۔ حالانکہ ان کی تعریف میں کلمہ طیبہ کا ذکر تک نہیں تھا۔ کسی نے بھی قرآن کریم کو سامنے رکھ کر تعریف نہیں کی ورنہ سب کا جواب ایک اور درست ہوتا۔ ان تعریفوں پر جج صاحبان نے جو روشنی ڈالی۔ وہ خاصی دلچسپ ہے لیکن طوالت راستے میں رکاوٹ ہے اتنا عرض کرتا چلوں کہ قرآن کریم نے مسلم (مسلمان) کی جو تعریف کی ہے۔ وہ کچھ یوں ہے ۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین ○
لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین ○

اے رسول مقبولؐ ان سے کہہ دو کہ (اس دین کو' اس انداز سے اختیار کرنے کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ) میرے تمام فرائض زندگی اور ان کے ادا کرنے کے طور طریقے۔ میرا مرنا اور میرا جینا' خدا کے تجویز کردہ پروگرام کی تکمیل کے لئے وقف ہے۔
میں اس میں کسی اور مقصد' جذبہ' یا خواہش کو شریک نہیں کرتا۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور' سب سے پہلے' میں نے خود اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔ 163-164)۔

علمائے کرام نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن منیر کمیشن میں " مسلمان کی تعریف نہ کر سکے اور بھانت بھانت کی بولیوں میں یہ تعریف گم ہو گئی۔ اس لئے کہ ہماری اصطلاحات جو ہمیں قرآن کریم نے عطا کی تھیں۔ ایران کی نذر ہو گئیں مسلم سے مسلمان' صلوۃ سے نماز' صلو سے درود بن گئے ' جن کا تعلق مجوسیوں سے ہے۔

اب یہ کہنا کہ صاحب " تدبر قرآن " نے ایک مرتبہ پھر سلف صالحین (صحابہ و تابعین) کے طریقے پر قران مجید کے فہم کو زندہ کیا ہے' میں اسے قارئین کے انصاف پر چھوڑتا ہوں ۔ سلف صالحین نے یا صحابہ و تابعین نے تحریری شکل میں قرآن کریم کی کوئی تفسیر نہیں چھوڑی۔ اگر محسن صاحب میرے ساتھ تعاون کریں اور حقائق کی دنیا میں جھانکیں تو سب سے پہلی تفسیر فارسی زبان میں ابن جریر طبری نے تیسری صدی ہجری میں لکھی اور پھر اس کے بعد اسے اسی طرح سمجھا گیا جس طرح طبری سمجھا تھا۔ طبری سے پہلے سوائے قرآن کریم کے کوئی کتاب دکھائی نہیں دیتی اور قرآن کریم کو خود حضورؐ اپنے دست مبارک سے کتابی شکل دے کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ تفسیر کا کام امت کے ذمہ ہے۔ نہ ہم سے صحابہ و تابعین کے اعمال کا پوچھا جائے گا اور نہ ان سے ہمارے متعلق پوچھا جائے گا کہ واضح حکم خداوندی ہے ۔ (سورہ البقرہ آیت نمبر 134)

مفہوم : (ان سے کہو اعمال کے نتائج اپنے اپنے ہوتے ہیں ۔ اس میں وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) جو کچھ انہوں نے کیا اس کے ثمرات و برکات ان کے حصے میں آئے۔ جو کچھ تم کرو گے اس کا پھل تمہیں ملے گا۔ تم سے تمہارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف کے اعمال کس قسم کے تھے۔

یہ ہے قران کریم کی عطا کردہ آزادی جو غلامی سے چھٹکارا دینے کی واحد کتاب ہے اسلئے صالحین تھے یا سا لکین' تابعین تھے یا تبع تابعین اپنی زندگی گذار گئے۔ وہ ہماری تاریخی مدد تو کر سکتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس لئے: بہتر ہو گا کہ فانی انسانوں کے بجائے اس زندہ جاوید کتاب کو سینے سے لگایا جائے جس کے متعلق اس کے نازل کرنے والے کا فرمان ہے کہ یہ نور و ہدایت کا سر چشمہ ہے۔

اگر کوئی گستاخی ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عصمت ابو سلیم

حشرِ اجساد*

* جسد، جمع اجساد

تحقیق و تجسس کا جذبہ ابھارنے کے لئے ہم جناب محمد عصمت ابو سلیم کا یہ تحقیقی مقالہ شامل اشاعت کر رہے ہیں جو ظاہر ہے ایک فرد کی ذہنی کاوش کا ماحصل ہے۔ قارئین طلوع اسلام سے توقع ہے کہ وہ نہ صرف اسے دقت نظر سے پڑھیں گے بلکہ تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی آرا سے بھی مطلع فرمائیں گے۔ مدیر

ہم بچپن سے اپنے ائمہ مساجد کے وعظوں اور علماء کرام کی تالیفات میں سنتے اور پڑھتے چلے آ رہے ہیں کہ قیامت اس دن آئے گی جب یہ زمین اور آسمان فنا ہو جائے گے۔ تمام مخلوقات مر جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فنائے عالم کے نتیجہ میں مرنے والوں اور گذشتہ زمانوں میں سب مرنے والوں کو از سر نو زندہ کرے گا اور حساب کتاب کے بعد نیکو کاروں کو جزاء کے طور پر جنت میں اور بدکاروں کو سزا کے طور پر دوزخ میں بھیجا جائے گا' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

انسان روز آفرینش سے پیدا ہوتا اور مرتا چلا آ رہا ہے۔ شروع میں تعداد کم تھی۔ رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا رہا۔ اور اب تو روزانہ ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہیں اور روزانہ ہزاروں لوگ مر جاتے ہیں۔ مرنے والوں کی لاشوں سے پھیلنے والے تعفن سے بچنے کے لئے' انہیں ٹھکانے لگانے کے دو طریقے عام ہیں۔ مذہبی رسوم کے ساتھ (1۔) تکفین و تدفین (2 ۔) لاشوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دینا۔ قبروں میں دفن کی جانے والی لاشیں بھی انجام کار گل سڑ کر مٹی اور ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کی موت عمارت گرنے کے نتیجے میں ملبے کے نیچے دبنے' زلزلہ وغیرہ کی صورت میں زمین میں دھنسنے یا پانی میں ڈوب جانے سے واقع ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ملبہ' زمین اور پانی ہی ان کی قدرتی قبریں بن جاتی ہیں۔ بعض اوقات سمندر وغیرہ میں موت واقع ہونے کی صورت میں لاشیں مچھلیوں کی خوراک بن جاتی ہیں۔ کبھی کبھی قحط کی حالت میں یا بعض افریقی ممالک میں' انسان ہی انسان کو کھا جاتا ہے۔ بعض حوادث میں انسانی جسم ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ یہ امتیاز کرنا ممکن نہیں رہتا کہ کونسا عضو کس شخص کا ہے۔

زمین پر انسان کے ظہور کو ہزاروں لاکھوں سال گزر چکے ہیں۔ جب کہ فنائے عالم میں نا معلوم کتنے کروڑوں سال باقی ہیں۔ گذشتہ دنوں ایک اخباری خبر تھی کہ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ سورج 5

ارب سال بعد مر جائے گا۔ اگر سورج کے مرنے پر فنائے عالم کا دارو مدار ہے اور اس وقت قیامت برپا ہو گی تو یہ تو بہت طویل عرصہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انصاف مین تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے۔ اسی طرح جزاءوسزا میں تاخیر کا حال ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تو کہا ہے کہ وہ سریع الحساب' سریع العقاب اور **مالک یوم الدین** یعنی روز جزاء کا مالک ہے۔ کیا وہ ابتداء آفرینش سے فنائے عالم سے کچھ عرصہ قبل تک مرنے والوں کے لئے سریع الحساب' سریع العقاب اور **مالک یوم الدین** نہیں ہے؟ بلکہ صرف ان لوگوں کے لئے سریع الحساب' سریع العقاب اور مالک یوم الدین ہے جو فنائے عالم کے نتیجہ میں یا اس سے تھوڑی دیر پہلے مریں گے؟

آیئے دیکھیں قرآن حکیم ہمیں اس بارے میں کیا بتاتا ہے

عام عقیدہ کے برعکس' قرآن حکیم میں تصریح کی گئی ہے کہ انسان موت کے بعد ہی دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو

1- **وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ** ○ (11/7)

ترجمہ: اور اگر تو کہے کہ تم موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاتے ہو تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ ایک صریح دھوکا ہے۔

کیا " موت کے بعد " کے لفظ سے یہ تصور ممکن ہے کہ مراد ہزاروں لاکھوں سال بعد اٹھایا جانا ہے' جب یہ دنیا فنا ہو گی؟

2- **كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ○ (2/28)

ترجمہ: تم بے جان تھے پھر تمہیں (اپنے اپنے وقت پر) زندہ کیا پھر تمہیں اپنے اپنے وقت پر موت دیتا ہے پھر تمہیں (اپنی اپنی موت کے بعد) زندگی دیتا ہے۔ پھر (دوبارہ زندہ کئے جانے پر) تم اس کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنے اپنے وقت پر پیدا ہو کر آتے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر مر کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مرنے کے بعد ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف حساب کتاب' اور جزاء سزا کے لئے لوٹا یا جانا بھی اسی طرح اپنے اپنے وقت پر ہو رہا ہے۔ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے سے جو بات **متبادر الی الذھن** ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسا جزاء سزا کے لئے کیا جاتا ہے۔

3- **وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ** ○ **ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ** ○ (6/62)

ترجمہ: " اللہ تعالیٰ تم پر حفاظت کرنے والے سامان بھیجتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے

کسی ایک کو موت آ پکڑتی ہے تو اس کو ہمارے بھیجے ہوئے فوت کر لیتے ہیں اور وہ حکم الٰہی میں ذرا بھی کمی بیشی نہیں کرتے پھر وہ (فوت کئے ہوئے لوگ) اللہ کی طرف جو ان کا سچا مالک ہے موڑے جاتے ہیں۔ سن رکھو! (وہاں بھی) اسی کا حکم ہے اور وہ جلدی حساب کرنے والا ہے۔"

4۔ **اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی** (75/36) کیا یہ انسان گمان کرتا ہے کہ وہ بیچ میں بیکار چھوڑ دیا جائے گا (اور جزاء کے بغیر نکما ہی پڑا رہے گا) تفسیر صفوۃ التفاسیر نے اس آیت کریمہ کی یوں تشریح کی ہے۔ **ای افیظن الانسان ان یترک هملا من غیر بعث ولا حساب ولا جزاء و بدون تکلیف بحیث یبقی کالبهائم المرسلة ؟ لا ینبغی له ولا یلیق به هذا الحسبان** ○

ترجمہ: کیا یہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے گا۔ دوبارہ اٹھا کر حساب کتاب نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی کوئی جزاء سزا دی جائے گی؟ اور کیا اس کا خیال ہے کہ وہ کھلے چھٹے پھرنے والے جانوروں کی طرح اپنے افعال کا ذمہ دار نہیں؟ اس قسم کا گمان کرنا اس کے لئے نہ تو مناسب ہے نہ اسے زیب دیتا ہے؟ **صفوۃ التفاسیر** محمد علی الصابونی کی تالیف ہے۔ دارالقرآن الکریم بیروت کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں **الطبری، الکشاف، القرطبی، الالوسی، ابن کثیر، البحر المحیط** وغیرہ تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ وہم دور ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان صدیوں تک کسی مواخذہ یا پوچھ گچھ اور جزاء سزا کے بغیر گل سڑ کر مٹی اور ہڈیوں کی شکل میں تبدیل ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر فنائے عالم پر یکایک اس کی بچی کھچی ہڈیوں کو جوڑ کر پہلے کی طرح کا ڈھانچہ تیار کر کے اور گوشت پوست پہنا کر اس میں وہ روح پھونک کر زندہ کر دیا جائے گا، جو مرتے وقت قبض کی گئی تھی اور اسی مقصد کے لئے "سٹور" کر لی گئی تھی۔

ایسے اعتقاد کی قرآن مجید کی بہت سی آیات سے نفی ہوتی ہے۔ جن میں سے چند ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

1۔ **وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ** ○ **وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِکُمْ وَ مَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ** (6/93:94)

ترجمہ: اور اگر تو اس وقت کو دیکھے تو ہولناک نظارہ دیکھے۔ جب کہ ایسے ظالم موت کی بیہوشیوں میں پڑے ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلانے والے ہوتے ہیں کہ (اب تم) اپنے آپ نکال کر لیجاؤ۔ آج تمہیں اس وجہ سے رسوائی والا عذاب دیا جاتا ہے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے۔ اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ (اور اپنی باتوں کو خدا کی باتوں کے ساتھ ملاتے تھے) اور البتہ تحقیق تم

ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے ہو جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور جو نعمتیں ہم نے تم کو دی تھیں تم انہیں پیٹھوں کے پیچھے (دنیا میں) چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان شفیعوں کو نہیں دیکھتے جنہیں تم گمان کرتے تھے کہ تمہارے معاملہ میں (خدا کی رحمت کے ساتھ) شریک ہوں گے البتہ (اب اس موت سے) تمہارے درمیان جدائی پڑ گئی اور جن کو تم گمان کرتے تھے وہ تم سے گم ہو گئے (اور تمہارے گمان جھوٹے نکلے)

ان آیات پر غور و تدبر سے یہ بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ کہ مرتے ہی ظالم پر عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ ہر شخص جس طرح اپنے وقت پر اکیلا پیدا ہوتا ہے اسی طرح اپنی موت کے بعد اکیلا مر کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمتیں دنیا میں چھوڑ جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مرنے کے نتیجہ میں ان لوگوں سے بھی جدائی ہو جاتی ہے جنہیں وہ خدا کے ساتھ شریک سمجھتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ نہیں جاتے۔ عذاب رسوائی بھی یونہی نہیں دیا جاتا بلکہ اللہ پر جھوٹ بولنے اور اس کی آیات سے تکبر کرنے کی سزا کے طور پر دیا جاتا ہے۔ اور سزا کا فیصلہ محاسبہ کے بعد سنایا جاتا ہے' یہ محاسبہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کا نام قیامت ہے۔ ہر شخص اپنی پیدائش پر اکیلا ہی پیدا ہوتا ہے اور اپنی موت پر اکیلا ہی مرتا ہے۔ خواہ بہت سے بچے ایک ہی کمرے میں بیک وقت اپنی ماؤں کے پیٹوں سے پیدا ہوں یا ایک ہی جگہ' ایک ہی وقت میں مر جائیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنی ہی موت مرتا ہے۔

نیچے دی جانے والی آیت سے مرنے والوں کی اپنے رب کے حضور پیشی کا ثبوت ملتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (6/27:30)

ترجمہ: (یہ بوڑھے لوگ مخالفتوں اور لاپروائیوں میں ہی فوت ہو گئے) اور (یہ عجیب نظارہ ہوتا) اور تو دیکھتا کہ جب وہ لوگ آگ پر کھڑے کئے گئے تو انہوں نے کہا اے کاش ہم (اس دنیا کی طرف) موڑے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور ایمانداروں سے بن جاتے۔ (لیکن ایسا نہیں ہو سکتا جو ایمان مقصود ہے اس کے حصول کا یہ قاعدہ نہیں) نہیں نہیں بلکہ (ان کے اندر سے) وہ کچھ ظاہر ہو گیا جسے وہ پہلے سے چھپاتے تھے اور اگر وہ (اس سے پہلی حالت کے ساتھ آخرت کے نقشوں کو بھلا کر) موڑے جاتے' تو (ان شرارتوں کی موجودگی کے ساتھ یہی نتیجہ پیدا ہوتا کہ) البتہ یہ وہی کرتے جس سے یہ روکے گئے تھے۔ اور بلا شبہ وہ جھوٹے ہیں اور ان لوگوں نے (اس دنیا میں بھی) کہا تھا' کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری اس دنیا کی زندگی اور ہم پیش ہونے والے نہیں ہیں۔ اور (یہ بھی حیرتناک نظارہ ہوتا) اگر تو دیکھتا جب کہ (وہ مادی غفلتوں سے نکل کر) خدا کے حضور میں کھڑے کئے گئے تو خدا نے فرمایا کیا

یہ (میرے روبرو پیشی اور تمہاری جوابدہی) حق نہیں ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہمارے رب کی قسم کیوں (صحیح) نہیں ہے۔ خدا نے کہا سو تم اپنے کفر کرنے کے سبب سے اس (مناسب) عذاب کو چکھو۔

یہ آیت بھی ملاحظہ فرمائیں: **قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ** (6/31)

ترجمہ: تحقیق ان لوگوں نے نقصان اٹھایا' جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ پیشی کی گھڑی ان پر اچانک (اور بے پتہ ہی) آ گئی تو (وہاں کے حالات کو دیکھ کر) کہنے لگے اس گھڑی کے متعلق جو ہم نے کمی (اور غلط فہمی) کی تھی۔ اس پر ہمارا افسوس اور اپنے بوجھوں کو اپنی پیٹھوں پر اٹھا رہے ہیں۔ سن رکھو جو کچھ وہ اٹھاتے ہیں وہ بہت برا ہے۔

باری تعالیٰ کے یہ ارشادات بھی ملاحظہ ہوں

1۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا** (4/97)

ترجمہ: بلا شبہ وہ لوگ جن کو ملائکہ یعنی کارکنان قدرت اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تم کس حالت میں تھے؟ مرنے والے جواب دیتے ہیں کہ ہم اس زمین میں عاجز کئے گئے تھے۔ وہ ملائکہ کہتے ہیں' کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ پس یہ لوگ جو ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جائے بازگشت ہے

2۔ **الذين تتوفهم الملئكة طيبين يقولون سلم عليكم ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون**

ترجمہ: جن کو فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ زندگی گزارتے ہوں وہ (فرشتے) کہتے ہیں تم پر سلام ہے۔ تم اس جنت میں اپنے عملوں کے سبب داخل ہو جاؤ۔

مذکورہ بالا دو آیات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ برے لوگوں کو مرنے پر کہہ دیا جاتا ہے کہ اب انکا ٹھکانا جہنم ہو گا جب کہ اچھے لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کی نوید سنا دی جاتی ہے۔

کیا جو لوگ صدیوں قبل مرے تھے یا یوں کہئے کہ ماضی میں فوت ہوئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اس سنت سے مستثنیٰ ہیں؟ یقیناً نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت غیر متبدل ہے۔ چنانچہ ہمیں قرآن ہی سے گذشتہ زمانہ کے لوگوں کے متعلق بھی واضح طور پر ایسی آیات ملتی ہیں جو اس امر کی دلالت کرتی ہیں کہ مرنے پر ان کے اعمال کی جزاء یا سزا کے طور پر انہیں جنت میں یا دوزخ میں بھیجدیا گیا۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل آیات۔

1۔ **قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِىْ رَبِّىْ وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ** (36/26)

ترجمہ : اسے کہا گیا جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے جنت میں داخل ہوتے ہی کہا۔ اے کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھ پر بخشش کی اور مجھے عزت والوں سے کر دیا۔

یہ اس شخص کا ذکر ہے جسے اعلان حق کے جرم میں قتل کر دیا گیا تھا۔ تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی لاش کو بھی مثلہ کر دیا گیا۔ اگلی دو آیات میں اس کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔

2۔ **وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا** (40/45-46)

ترجمہ: اور فرعون کے لوگوں کو عذاب کی سختی نے آ گھیرا (وہ عذاب) آگ تھی جس پر وہ صبح شام پیش ہوتے تھے ۔ آگے ہے۔ کہ جس وقت (پکڑ کی) گھڑی قائم ہوئی تھی (کہا گیا) فرعون کے لوگوں کو سخت عذاب میں داخل کرو **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ** (40/46)

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ جب وہ فرعون کے لوگ جہنم میں جھگڑا کرتے تھے تو ناتوانوں نے متکبروں سے کہا۔ تحقیق ہم تمہاری تابعداری کیا کرتے تھے۔ پھر کیا تم ہم سے عذاب (دوزخ) کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو؟ ان لوگوں نے جو متکبرین تھے کہا (تمہیں نظر نہیں آتا کہ ایسی حالت میں ہم تمہاری تو کیا اپنی بھی کوئی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ) تحقیق ہم (سب ضعیف و قوی) اس (جہنم کی تکالیف) میں ہیں (کسی کا کچھ بس نہیں چل سکتا) تحقیق اللہ تعالیٰ نے حق فیصلہ بندوں کے درمیان کر دیا ہے۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ (40/47-48)

3۔ **مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا** (71/25)

ترجمہ : وہ (قوم نوح کے افراد) اپنی خطا کاریوں کے سبب غرق کر دیے گئے پھر آگ میں داخل کر دیے گئے۔

4۔ **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○** (66/10)

ترجمہ : اللہ نے کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال پیش کی۔ یہ دونوں بیویاں ہمارے دو صلاحیت والے بندوں کے ماتحت تھیں۔ سو ان دونوں نے ان (صلاحیت والے بندوں) کی خیانت کی۔ پھر وہ دونوں (بندے) ان دو (بیویوں) کے اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئے اور ان دونوں (عورتوں) کو اپنے اپنے مرنے پر کہا گیا کہ تم دونوں داخل ہونے والوں (یعنی دوسرے مجرموں) کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔

5۔ خود فرعون کے متعلق ہے ۔ **فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى** (79/25)

ترجمہ : اللہ نے اس کو (فرعون کو) آخرت اور دنیا کی قرار واقعی سزا دی یا آخرت اور دنیا کے عذاب

میں پکڑ لیا۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ لوگ اس دنیا میں آنکھوں سے دیکھتے، کانوں سے سنتے، منہ سے کھاتے پیتے، ناک سے سونگھتے اور سانس لیتے، دماغ سے سوچتے، ہاتھوں سے پکڑتے اور ٹانگوں سے چلتے پھرتے اور ان پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مرجائیں تو ان میں سے ہر ایک کا یہ جسم جس سے وہ طرح طرح کے کام لیتا تھا اور اسے متحرک رکھتا **جثۃ ھامدۃ** یعنی بے جان لاش بن کر رہ جاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مرنے والا کبھی نہ واپس آنے کے لئے اپنا جسم چھوڑ کر چلا گیا۔ یعنی تحت الشعور میں ہمیں اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ اصل انسان یہ جسم نہیں بلکہ وہ شے ہے جو اس جسم کے اعضاء سے مختلف کام لیتی ہے اور اسے متحرک رکھتی ہے۔ اور جب موت پر اس کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ تو یہ جسم اتنا بے کار، بے مصرف اور ناقابل برداشت ہو جاتا ہے کہ اگر تدفین نہ کی جائے یا کسی اور طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے تو لحظہ بلحظہ گلنے سڑنے لگتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والا تعفن زندہ لوگوں کی صحت کے لئے از بس مضر ہو جاتا ہے۔ اس چیز کو جو اس جسم میں ودیعت کی گئی ہے نفس (جمع انفس و نفوس) یا عام طور پر روح کہا جاتا ہے۔ جو فی الواقع اصل انسان ہے اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے، لہٰذا موت پر، جو محض نفس کے جسم سے علیحدہ ہونے کا نام ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان، **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ** (آل عمران 184) کا بھی یہی مفہوم ہے، اسے عالم آخرت میں لیجایا جاتا ہے جو عالم جزاء و عقاب ہے۔ جب کہ یہ دنیا دارالعمل ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم میں جہاں جہاں مرنے کے بعد جزاء سزا کا ذکر ہے، اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ بات اصل انسان کی ہو رہی ہے جو مرتے وقت، لطیف جسم کے ساتھ اپنا خاکی جسم یہاں چھوڑ کر عالم آخرت میں پہنچ جاتا ہے۔

اس موضوع پر مزید قرآنی آیات پیش کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلم فلاسفہ کی رائے پیش کی جائے۔

مسلم فلاسفہ (MUSLIM PHILOSOPHERS) موت کے بعد بقائے روح کے قائل ہیں۔ الکندیؒ (متوفی 866ء) کے نزدیک روح ایک خداوندی بسیط جوہر ہے، جس کا نہ طول ہے نہ عمق اور نہ عرض، نفس روح کا تعلق جسم سے عارضی ہے۔ اور نفس جسم کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ جب کہ ابن سیناؒ پہلا مسلمان فلسفی ہے، جس نے نفس پر طبیعاتی، عضویاتی اور مابعد الطبیعاتی بحث کی طرف توجہ دی۔ نفس کے جسم سے الگ وجود ہونے اور اس کی ابدیت پر اس کے دلائل بہت مشہور ہیں جو انسانی فکر کی تاریخ میں اپنی ایک قیمت رکھتے ہیں۔ ابن سیناؒ کی رائے میں جسم کا معاد صرف شریعت پر ہی مبنی ہے۔ لیکن جہاں تک نفس کے معاد کا تعلق ہے اسکی بنیاد عقل پر ہے۔

امام غزالیؒ متوفی 1111ء) نے فلاسفہ میں الفارابیؒ پر بالعموم اور ابن سینا پر بالخصوص حشر اجساد سے انکار کی وجہ سے اپنی کتاب " تہافت الفلاسفہ " میں شدید حملے کئے۔ امام غزالیؒ اگرچہ موت کے بعد النفس کے روحانی سعادت میں رہنے پر فلاسفہ سے متفق ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ فلاسفہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے موت کے بعد بقاء نفس کا ادراک عقل کے ذریعے کیا، حالانکہ یہ بات جاننے کا صحیح

راستہ شریعت ہے نیز فلاسفہ حشر اجساد اور جسمانی جنت اور دوزخ سے انکار کرتے ہیں۔

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم نے اپنی کتاب " من کی دنیا" میں لکھا ہے : اس روح کو اہل فن جسم لطیف یا اسٹرل باڈی (Astral Body) کہتے ہیں۔ یہ مستقل اور غیر فانی ہے اور جسم فانی اس کی عارضی قیام گاہ ہے)

امام رازیؒ کی تحقیق کے مطابق (نوٹ : - کتاب النفس' والروح و شرح قواھما للامام فخر الدین' محمد بن عمر الرازی' تحقیق الدکتور محمد صغیر حسین المعصومی' معھد الابحاث الاسلامیۃ۔ اسلام آباد) وہ شئے جس کی طرف ہر ایک یہ کہہ کر اشارہ کرتا ہے کہ میں آیا' میں جاتا ہوں' میں نے سنا' میں نے سمجھا' میں نے کہا وغیرہ وہ اس ظاہری اور محسوس مادی جسم کے علاوہ ہے۔ وہ نفس (روح) یہ جسم نہیں نہ اس جسم کے اجزاء میں سے کوئی چیز۔ جسم کے مختلف اعضاء محض اوزاروں کا کام دیتے ہیں۔ چنانچہ نفس (روح) آنکھ سے دیکھتا' کانوں سے سنتا' دماغ سے سوچتا' دل سے کام کرتا ہے۔ نفس کی ذات ان سے مختلف ایک جوہر ہے۔ اور ذاتی طور پر اس کا تعلق ان اعضاء سے تصرف و تدبیر کا ہے۔اس جسم کے اجزاء ہر دم بدلتے رہتے ہیں۔ جب کہ ان میں سے ہر ایک کی طرف میں کہہ کر اشارہ کرنے والا باقی رہتا ہے اور شکست و ریخت سے بچا رہتا ہے۔ میں وہی ہوں جو آج سے بیس سال پہلے تھا۔ اگر انسان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں اور آنکھیں نکال دی جائیں تو وہ لازما جانتا ہے کہ وہ وہی انسان ہے جو اس سے پہلے تھا۔ لہٰذا انسان اس محسوس جسم سے عبارت نہیں۔ اور نہ نفس یہ جسم ہے۔ وہ چیز جس کیطرف یہ کہہ کر بتایا جاتا ہے کہ وہ انسان ہے اس جسم کی موت کے بعد باقی' زندہ' طاقت ور اور ہوشمند رہتی ہے۔

خواجہ احمد الدین مرحوم نے اپنی تفسیر بیان للناس' جلد اول کے صفحہ 160 پر لکھا ہے۔ " انسان بھی نطفہ اور علقہ سے لے کر مرنے تک بہت سے حالتیں بدلتا ہے اور مرنے کے وقت ایک لطیف غیر مرئی جسم اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔"

جناب پرویزؒ اپنی کتاب " جہان فردا" میں رقمطراز ہیں۔

زندگی (یا شعور ذات) ایک مسلسل جاری رہنے والی ندی ہے جو اس دنیا کے بیابان سے اخروی گلستان میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور موت اس باڑ کا نام ہے جو ان دونوں کے درمیان حائل ہے۔ جس کی وجہ سے ہم (اس بیابان میں کھڑے) ندی کو باڑ سے آگے نہیں دیکھ سکتے' لہٰذا یہ تصور صحیح نہیں کہ جتنے لوگ مرتے ہیں وہ (مرنے کے بعد) قبروں میں روک لئے جاتے ہیں اور پھر ان سب کو ایک دن اکٹھا کیا جائے گا۔ اسے حشر یا قیامت کا دن کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی قیامت اس کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے ۔

قرآن مجید میں بھی اس بات کی تصریح موجود ہے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

○ (39/42) مفہوم : اللہ وہ ہے جو دو طرح روحوں کو قبض کرتا ہے۔ موت کے وقت اور نیند میں۔ وہ مرنے والوں کی روحوں کو اپنے ہاں روک لیتا ہے۔ لیکن باقی ارواح کو ایک خاص میعاد کے لئے ان کے اجسام میں دوبارہ بھیج دیتا ہے۔ اس حقیقت میں اہل فکر کے لئے کچھ اسباق موجود ہیں۔

جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق موحوم اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے اس خاکی جسم کے اندر ایک اور جسم ہے جو بخارات آبی سے زیادہ لطیف ہے۔ حقیقی انسان وہی ہے۔ یہ خاکی جسم فانی ہے اور وہ غیر فانی۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ جسم لطیف خاکی جسم سے ادھر ادھر گھومنے چلا جاتا ہے۔

یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن میں بندھے ہوئے ہیں اور جب کسی حادثہ یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے، تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ورنہ نیند کے بعد جسمِ لطیف جسمِ خاکی میں واپس آ جاتا ہے۔

(من کی دنیا)

جب کہ تفسیر بیان للناس نے موت کے وقت نفوس کو قبض کرنے اور روکنے کی توضیح کے طور پر بتایا ہے، کہ انہیں دوسرے عالم میں جواب دہی کے لئے لیجایا جاتا ہے۔ اس بات کی تائید ان تمام آیات سے ہوتی ہے، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ قوم نوح کو غرق کرنے کے بعد نار جہنم میں داخل کیا گیا۔ فرعون آخرت کے عذاب میں پکڑا گیا جیسا کہ وہ دنیا کے عذاب میں بھی پکڑا گیا۔ حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ کی بیویوں کو اپنی اپنی موت پر دوسرے جہنم میں جانے والوں کے ساتھ جہنم میں جانے کا حکم دیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ

سورہ القیامہ کی آیات (30:26) بھی ملاحظہ ہوں۔

• **كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ○ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ○ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ○ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ○ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ** جب روح ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے ؟ اور وہ (مرنے والا) گمان کرتا ہے کہ یہ جدائی ہے اور پنڈلی کے ساتھ پنڈلی لپٹتی ہے اس دن تیرے رب کی طرف تیرا ہانکا جانا ہے۔

اس آیت میں " **وظن انه الفراق** " کی تنویر الاذهان من تفسیر روح البیان مطبوعہ بغداد میں تفسیر یوں کی گئی ہے۔

وایقن المحتضر حین عاین ملائکة الموت ان ما نزل به هو الفراق من الدنیا المحبوبة و نعیمها التی ضیع العمر النفیس فی کسب متاعها الخسیس

ترجمہ : جب مرنے والا موت کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو اسے یقین آ جاتا ہے کہ یہ جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے۔ وہ اس پیاری دنیا اور اس کی نعمتوں اور آسائشوں سے جدائی کا پیش خیمہ ہے جس کی گھٹیا متاع کے لئے اس نے اپنی انمول عمر ضائع کر دی۔

اس تفسیر (تنویر الاذهان) میں آگے چل کر لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ :

قال الامام هذه الاية تدل علی ان الروح جوهر قائم بنفسه باق بعد موت الجسم

لان اللہ سمی الموت فراقا" والفراق یکون اذا کانت الروح باقیة ترجمہ : یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ روح ایک مستقل جوہر ہے جو جسم کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موت کو فراق کا نام دیا ہے اور فراق تبھی ہو گا جب روح باقی رہے۔ مطلب یہ کہ موت پر اگر کچھ باقی نہ رہے گا تو دنیا سے جدائی کا کچھ معنی نہ ہو گا۔

اس سے متصل تفسیر مذکور میں لکھا ہے

قال المزنی دخلت علی الشافعی فی مرض موته فقلت کیف اصبحت؟ قال: اصبحت من الدنیا راحلا" وللاخوان مفارقا" ولسوء عملی ملاقیا" ولکاس المنیة شاربا" وعلی اللہ واردا فلا ادری اروحی تصیر الی الجنة فاهنیها ام الی انار فاعزیها۔

ترجمہ : مزنی کا بیان ہے کہ وہ امام شافعی کے مرض الموت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی عافیت دریافت کی۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا۔ اب تو دنیا سے کوچ کرنے' بھائیوں سے جدا ہونے' اپنے برے اعمال کا سامنا کرنے' موت کا پیالہ پینے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے والا ہوں' لیکن نہیں جانتا کہ میری روح جنت میں جائے گی کہ اسے مبارکباد دوں یا دوزخ میں کہ اس سے تعزیت کروں۔

قارئین جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ قتل ہونے والوں کو مردہ کہنے یا سمجھنے سے منع فرمایا ہے اور بتایا ہے (1) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم حیات بعد الممات کی حقیقت معلوم کرنے سے قاصر ہو (**بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ** 2/154) (2) بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں (**بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ** (3/169)

تفسیر جلالین کے مطابق **عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ** کا معنی ہے کہ وہ جنت کے پھل کھاتے ہیں (**یاکلون من ثمار الجنة**)

ہم جانتے ہیں کہ شہداء کی کٹی پھٹی لاشیں اسی دنیا میں رہتی ہیں شہید ہونے پر انہیں جو جنتی زندگی ملتی ہے۔ ظاہر ہے وہ اس جسم کے بغیر مگر لطیف جسم کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔ ہمارے بعض مفسرین ان آیات کو عذاب و ثواب قبر کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ جو یقیناً ایک بودی اور لا حاصل دلیل ہے۔ قبر اور جنت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

آیئے اب مسئلہ کا ایک اور زاویہ سے جائزہ لیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ **اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ کُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ** (23/35)

ترجمہ : کیا یہ تم کو اس سے ڈراتا ہے کہ جب تم مر جاتے ہو اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاتے ہو تو بلاشبہ تم (اس کثیف مادی عالم سے) نکالے گئے ہوتے ہو۔ " **الکافیه فی النحو جز -2 مطبوعه دارالکتب العلمیة** بیروت لبنان نے' اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے : **انکم وقت موتکم اخراجکم**

ترجمہ : " تمہیں تمہاری موت کے وقت (اس کثیف مادی عالم سے) نکالا جاتا ہے۔" اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ مرنے پر انسان اس دنیا میں رفتہ رفتہ مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے - یہ حشر اس کے خاکی جسم کا ہوتا ہے جو وہ مرنے پر یہاں چھوڑ جاتا ہے۔ جب کہ وہ خود اپنے لطیف جسم کے ساتھ اس دنیا سے نکل کر عالم آخرت میں پہنچ جاتا ہے' جہاں حساب کتاب کے بعد عقائد و اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جزاء یا سزا پانے لگتا ہے۔ کیونکہ مرنے کے وقت جو چیز قبض کی جاتی اور روکی جاتی ہے وہ نفس (روح) ہے ملاحظہ ہو آیت (39/42)اور وہی اصل انسان ہے۔

اس وضاحت کے بعد بھی اگر کسی صاحب کا اصرار ہو کہ نہیں بلکہ مرنے والوں کا اس دنیا سے نکلنا مرنے پر نہیں بلکہ مرنے کے بعد مٹی اور ہڈیاں ہو جانے پر ہو گا۔ اور نتیجہ یہ نکالے کہ ایسا قیامت کبریٰ پر ہو گا۔ تو ایسے حضرات کی خدمت میں سوال ہے کہ بتائیں کہ مردہ کو مٹی اور ہڈیاں بننے میں زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہونے میں سو سال لگتے ہیں' تو کیا سو سال کے بعد مردہ کے نکالے جانے پر ان کے اس عقیدہ کی تائید ہو جائے گی کہ سب لوگ مرنے کے بعد ایک ہی دن اٹھائے جائیں گے ؟ اور یہ وہ دن ہو گا جب فنائے عالم پر قیامت کبریٰ برپا ہو گی ؟ لوگ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں مرتے ہیں' اور جب سے انسان کا اس دنیا میں ظہور ہوا ہے' موت بھی برابر ہو رہی ہے۔ اگر روزانہ ہزاروں لوگ (مرنے کے بعد سو سال پورا کر کے)دوبارہ اٹھائے جاتے ہیں اور پیش ہوتے ہیں تو اس حساب سے بھی ان کا اس دنیا سے نکالا جانا روزانہ ہو رہا ہے۔ تو قیامت کبریٰ پر سب کا ایک ہی دن اٹھایا جانا کیسے ثابت ہو گا؟ اس آیت کی روشنی میں ایسی بہت سے دوسری آیات کا مفہوم قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اگر موت کے بعد مرنے والے کو دوبارہ زندگی مل جاتی ہے جیسا کہ بعد الموت کا تقاضا ہے اور اوپر پیش کردہ متعدد آیات سے بھی واضح ہے' تو برزخ' جو دنیا اور آخرت کے درمیان موت سے دوبارہ زندہ کئے جانے کا وقت ہے' المنجد کے مطابق مابین **الدنیا والاخرة من وقت الموت الی البعث** کوئی قابل ذکر طوالت کا حامل وقفہ نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف موت کی بے ہوشی کا عرصہ ہے۔ اس سے صرف کفار و مشرکین اور بد اعمال لوگ گذرتے ہیں۔ مسلم' مومن' صالح' شہید یا ان سے رتبہ میں بلند صدیقین انبیاء کے لئے موت پر دنیا اور آخرت کے درمیان کوئی رکاوٹ پردہ یا اوٹ ہر گز نہیں۔ ان کا جنت میں داخلہ براہ راست ہوتا ہے۔ برزخ کا لفظ بایں معنی' قرآن حکیم میں صرف سورت المومنون کی آیت 100 میں وارد ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو :

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا ۭ فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (23/100)

ترجمہ : یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے دنیا کی طرف موڑ دو تا کہ میں ان چیزوں میں جو میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں صلاحیت والے عمل کر

سکوں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ اس کی زبانی بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ ان کے آگے پیشی کے دن کی طرف ایک پردہ ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ پر غور سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

1۔ اس مرنے والے کا یہ کہنا کہ مجھے واپس دنیا میں بھیج دو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مرنے کے بعد اس دنیا میں نہیں رہا۔ بلکہ عالم آخرت میں پہنچ گیا ہے اور اس نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ اب اس کی بد اعمالیوں کا محاسبہ ہو گا۔ تفسیر جلالین کے مطابق **و رای مقعده من النار و مقعده من الجنة لو آمن** یعنی دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے اور یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ اگر وہ مومن ہوتا تو اس کو جنت میں جگہ ملتی۔ یہ دیکھ کر گھبرا کر کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے دنیا میں واپس بھیج دو تاکہ صلاحیت والے اعمال بجا لاؤں اور مروں تو سرخ رو ہو کر مروں۔

2۔ اگر یہ مرنے سے پہلے یا مرتے وقت کا قول ہو تو اس کی درخواست کچھ اس طرح ہونی چاہیے۔

اے میرے پروردگار مجھے ابھی موت نہ دے **(رب لاتمتنی)** یا مجھے کچھ اور مہلت عطا فرما۔ **(امهلنی)**

3۔ اس کا مال و دولت جو اس نے مرتے وقت دنیا میں چھوڑا' موجود تھا' زمین آباد تھی' لوگ حسب سابق بس رہے تھے۔ قیامت کبریٰ برپا نہیں ہوئی تھی۔ کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہو رہی تھی۔ نہ زمین و آسمان کی تباہی کا آغاز ہوا تھا نہ ہی دور دور تک اس کے کوئی آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے تھے۔ بلکہ سب کچھ حسب سابق موجود تھا۔

4۔ ہاں وہ مرنے والا دہشت کے سبب کچھ دیر کے لئے بے ہوش ہو گیا تھا۔ کیونکہ عذاب و سختی کا ہوش میں ہی پتہ چلتا ہے۔ اسلئے ارشاد ہوا **وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ** ایسے مرنے والوں کے آگے پیشی کی طرف ایک پردہ ہوتا ہے۔ جس شخص کا اس آیت میں ذکر ہے وہ بے ہوشی کے مختصر سے عرصہ سے نکل کر عالم آخرت میں پہنچا تھا۔

5۔ جب قیامت کبریٰ فنائے عالم پر برپا ہو گی اس وقت جو لوگ مریں گے اور دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور پیش ہوں گے' ان میں سے کوئی فرد ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے واپس دینا ہیں بھیجدو تاکہ اعمال صالحہ بجا لاؤں۔ کیونکہ انہوں نے تو **ارض و سماوات** کے باہمی تصادم' ہر چیز کی توڑ پھوڑ' ان کی تباہی اور زمین کے تہہ و بالا ہونے کے مناظر کا نظارہ کیا ہو گا۔

6۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر انسان کی موت اور دوبارہ زندہ کئے جانے کا درمیانی عرصہ فنائے عالم تک ممتد نہیں' اگر ایسا ہے تو جس مرنے والے کا اوپر ذکر ہوا وہ بھی قیامت کبریٰ کو زندہ کیا جا کر آخرت میں پیش ہونا چاہیے جب فنائے عالم پر سب مرنے والے اور وہ بھی جو ابتداء آفرینش سے اس وقت تک مرتے چلے آئے تھے دوبارہ زندہ ہو کر پیش ہوں گے اور فنائے عالم پر مرنے والے بتائیں گے کہ وہ اس وقت مرے تھے' جب زمین تباہ ہو رہی تھی۔ ایسی صورت میں وہ

شخص جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے اور اس سے پہلے مرنے اور اسکے بعد فنائے عالم سے قبل سب مرنے والوں میں سے کوئی بھی شخص اتنا احمق نہیں ہو گا کہ یہ جاننے کے بعد کہ دنیا فنا ہو چکی ہے دنیا میں واپس بھیجنے کی درخواست کرے۔

سید ابو الاعلی مودودی مرحوم نے اپنے کتابچہ زندگی بعد موت مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ' ہ عالم مارکیٹ' لاہور میں لکھا ہے کہ موجودہ نظام جو طبعی قوانین پر بنا ہے' ایک وقت میں توڑ ڈالا ئے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظام بنے گا' جس میں زمین و آسمان اور ساری چیزیں ایک دوسرے منگ پر ہوں گی۔ تمام انسانوں کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک ہوئے تھے دوبارہ پیدا کرے گا ر بیک وقت ان سب کو اپنے سامنے پیش کرے گا۔ وہاں ایک ایک شخص کا ایک ایک قوم اور پوری سانیت کا ریکارڈ ہر غلطی اور ہر فرد گذاشت کے بغیر محفوظ ہو گا۔ ہر شخص کے ایک ایک عمل کا جتنا رد عمل دنیا میں ہوا ہے اس کی پوری پوری روداد موجود ہو گی۔ وہ تمام نسلیں گواہوں کے کٹہرے میں اضر ہوں گی جو اس رد عمل سے متاثر ہوئیں۔ ایک ایک ذرہ جس پر انسان کے اقوال اور افعال کے قوش ثبت ہوئے اپنی داستان سنائے گا۔ خود انسان کے ہاتھ اور پاؤں اور آنکھ اور زبان اور تمام عضاء شہادت دیں گے کہ ان سے کس طرح کا کام لیا گیا۔ پھر اس روداد پر وہ سب سے بڑا حاکم پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا کہ کون کتنے انعام کا مستحق ہے اور کون کتنی سزا کا۔

مودودی صاحب نے قرآن حکیم کی کسی آیت یا آیات کا حوالہ نہیں دیا جن سے انہوں نے اس فلسفہ کا استنباط کیا ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی باتیں ہیں جو ائمہ مساجد اور علماء کرام نے عوام میں مشہور کر رکھی ہیں اور اکثر و بیشتر قرآنی تعلیمات کے خلاف جاتی ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ کے تمام زمانوں میں مالک یوم الدین' سریع الحساب اور سریع العقاب ہونے سے انکار لازم آتا ہے۔ یہ ان آیات کی تکذیب کرتی ہیں جن میں ماضی میں مرنے والوں کو مرنے کے بعد آخرت میں جزاء سزا دینے کا واضح ذکر موجود ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اعداء القرآن والاسلام والمسلمین اور اعداء اللہ و رسولہ نے جن کا مطمح نظر قرآن کو مجموعہ تضادات ثابت کرنا ہے گھڑ گھڑ کر پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور جن کا پرچار مسلسل جاری ہے۔ جزاء و عقاب کو فنائے عالم تک موخر ماننے میں یہ قباحت ہے کہ جتنا جتنا ماضی میں جائیں اتنا اتنا فنائے عالم تک ممتد مزعومہ برزخ کی مدت پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جتنا جتنا مستقبل میں جائیں اتنا اتنا یہ مدت گھٹتی چلی جاتی ہے۔ یعنی اگر ایک شخص آج سے پانچ ہزار سال پہلے فوت ہوا اس کا مزعومہ برزخ کا زمانہ اس شخص کے مقابلہ میں جو آج مرا 5 ہزار سال زیادہ ہو گا و علم جرا۔ نیز اگر حساب کتاب اس لئے موخر ہوتا ہے تاکہ مرنے والے کے عمل پر دنیا میں ہونے والے رد عمل کا جائزہ لیا جائے' تو کیا مرنے والا ان اعمال کا بھی جواب دہ ہے جو دوسرے لوگ اسکی بدیوں یا نیکیوں میں اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بعد میں کرتے رہے ؟ کیا ایسا سمجھنا اللہ تعالیٰ کے ارشاد **وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی** (6/164) کے منافی نہیں ؟

ارواح کے مردوں کے اجسام میں قیامت کبریٰ کو لوٹائے جانے کے عقیدہ کا منبع و ماخذ قرآن حکیم

کی آیت (81/7) کو قرار دیا جاتا ہے۔ یہ آیت یوں ہے **وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ** (81/7) اس کا ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی نویؒ نے اس طرح کیا ہے : " اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں گے۔ "

صفوۃ التفاسیر سے مذکورہ بالا مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ صفوۃ التفاسیر میں کہا گیا ہے **ای واذا النفوس قرنت باشباهها فقرن الفاجر مع الفاجر والصالح مع الصالح۔ قال الطبری یقرن بین الرجل الصالح مع الرجل الصالح فی الجنة و بین الرجل السوء مع الرجل السوء فی النار**

ترجمہ : یعنی جب ارواح کو ویسی ہی ارواح کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا۔ فاجر کو فاجر اور صالح کو صالح کے ساتھ۔ امام طبری کا کہنا ہے کہ جنت میں صالح مرد کو صالح مرد کے ساتھ اور دوزخ میں برے مرد کو برے مرد کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا۔۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے : **هذه روایة الطبری عن عمربن الخطاب وقیل المراد قرن الاجساد بالا رواح والاول ارجح واللّٰه اعلم۔**

ترجمہ : یہ طبری کی حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے مراد یہ ہے کہ اجسام ارواح سے جوڑ دئے جائیں گے۔ پہلی بات زیادہ قابل ترجیح ہے **واللّٰه اعلم** یعنی اجسام کو ارواح سے منسلک کرنے کی روایت درست نہیں۔

جب کہ تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ روحوں کو ان کے اعمالناموں اور اعمال سے جوڑ دیا جائے گا۔ **(اذا قرنت بکتبها و اعمالها)** اور یہ بھی کہ مومن لوگوں کو آہو چشم خوبصورت عورتوں سے اور کافر لوگوں کو شیاطین صفت لوگوں سے جوڑ دیا جائے گا۔ **(او نفوس المومنین بالحورالعین و نفوس الکافرین بالشیاطین)**

ان مفسرین کرام کے نزدیک آیت زیر بحث اور اس سے پہلے اور بعد کی آیات قیامت کبریٰ کے موقع پر رونما ہونے والے انقلابات سے متعلق ہیں' جب کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے چھ تغیرات اس دنیا میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور باقی چھ موت کے بعد نمودار ہوتے ہیں۔ سورج کا لپیٹا جانا' ستاروں کا گدلا ہونا' پہاڑوں کا اڑایا جانا' دس ماہ کی گابھن اونٹنیوں کا چھوڑا جانا وحشی جانوروں کا اکٹھا کیا جانا اور سمندروں کا جوش میں لایا جانا ایسے انقلاب ہیں جو آتے رہتے ہیں۔ سورج کا لپیٹا جانا سورج میں داغوں کے بڑھ جانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے زمین کی مقناطیسیت' میں فرق آ جاتا ہے اور کہیں نہ کہیں زلزلہ رونما ہو جاتا ہے۔ اگر یہاں قیامت کبریٰ کی بات ہو رہی ہے تو اس وقت دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں کہاں چھٹی پھریں گی اور وحشی جانور کس جگہ جمع ہوں گا؟ نیز اگر زمین فنا ہو جائے گی تو گابھن اونٹنیاں اور وحشی جانور کیسے زندہ بچے جائیں گے۔

ہاں ارضی انقلابات کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مر جاتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت (مرنے والے) نفس (اپنے اعمال سے جن کو انہوں نے آگے بھیجا ہوتا ہے) جوڑے جاتے ہیں۔

قارئین نے اس مقالہ میں قبل ازیں پڑھا کہ امام غزالیؒ نے مسلم فلاسفہ کے اس دعویٰ پر کہ

انہوں نے موت کے بعد بقاء نفس کا ادراک عقل کے ذریعے کیا اور حشر اجساد سے ان کے انکار پر انہیں مطعون کیا۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ حشر اجساد پر دال کسی قرآنی آیت کا نہ پایا جانا ہو۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ان کی طرف سے حشر اجساد پر کئی اعتراضات اٹھائے ضرور گئے۔ ان میں سے ایک ہم امام غزالی کی کتاب " **تهافت الفلاسفة** " مطبوعہ دارالمعارف مصر کے صفحہ 297 سے نیچے نقل کر رہے ہیں۔

اما القسم الثانی وهو تقدیر بقاء النفس وردها ال ذالک البدن بعینه فهو لو تصور لکانا معادا ای عودا الی تدبیر البدن بعد مفارقته' لکنه محال' اذ بدن الانسان یستحیل ترابا او تاکله الدیدان والطیور ویستحیل دماء و هواء و بخارا و یمتزج بهواء العالم و بخاره ومائه امتزاجا" یتعذر انتزاعه وا ستخلاصه ولکن ان فرض ذلک اتکالا علی قدرة اللّٰه فلا یخلو اما ان یجمع الاجزاء التی مات علیها فقط فینبغی ان یعاد مجنوع الانف و الاذن و ناقص الاعضاء کما کان و هذا مستقبح لا سیما فی اهل الجنة وهم الذین خلقوا ناقصین فی ابتداء الفطرة فاعادتهم الی ماکانوا علیه من الهزال عند الموت فی غمایة النکال

ترجمہ : جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو وہ بقار نفس اور اس کے اسی جسم میں لوٹائے جانے کا مفروضہ ہے اس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ روح جسم چھوڑنے کے بعد دوبارہ اس کے انتظام میں لگ جائے گی لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ جسم خون' آبی بخارات اور ہوا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یا اسے کیڑے مکوڑے اور پرندے کھا جاتے ہیں اور یہ جسم دنیا کی ہوا' آبی بخارات اور پانی سے اس طرح خلط ملط ہو جاتا ہے کہ اس کا علیحدہ کرنا اور نکالنا ممکن نہیں رہتا۔ لیکن اگر قدرت خداوندی پر یقین کرتے ہوئے یہ بات فرض بھی کر لی جائے تو دو صورتوں سے خالی نہ ہو گی۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام اجزاء کو اکٹھا کرے' جو وہ مرتے وقت رکھتا تھا۔ اس صورت میں چاہیے کہ وہ پہلے کی طرح گونگا بہرا ٹنڈا لنگڑا کٹا اور ناقص الاعضاء اٹھایا جائے تو یہ بات خصوصی طور پر اہل جنت کے متعلق سخت ناپسندیدہ ہو گی۔ یہ لوگ ناقص الاعضاء پیدا ہوئے تھے اور موت کے وقت جس لاغری کی حالت میں تھے اسی میں ان کو دوبارہ زندہ کرنا انتہائی درجہ کی عبرتناک سزا دینا ہو گا۔

اس قسم کے اعتراض کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہو سکتا ہے' جو مرنے کے بعد کسی تاخیر کے بغیر دوبارہ زندہ کئے جا کر عالم آخرت میں پیشی کے لئے کھڑے کئے جائیں' اگر مرتے وقت ان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کٹے ہوئے ہوں یا پیدائشی ناقص الاعضاء ہوں یا بدصورت اور کریہ المنظر ہوں' لیکن مومن' متقی اعمال صالحہ بجا لانے والے ہوں اور ایسی ہی صورت و شکل کے جسم لطیف لے کر پیش ہوں۔ اس پر گفتگو آگے آ رہی ہے۔ سر دست اوپر مذکور مسلم فلاسفہ کے اعتراض اور دیگر اعتراضات کے جواب میں امام غزالیؒ نے اپنی کتاب " تہافت الفلاسفہ " کے صفحہ 299 پر جو کچھ لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو

نعم قد دل مع دلک علی البعث والنشور وهو بعث البدن وذلک ممکن

بردها الی بدن' ای بدن کان' سواء کان من مادة البدن الاول اومن غیره' او من مادة استونف خلقها' فانه هو بنفسه لا ببدنه' اذ تتبدل' علیه اجزاء البدن من الصغر ال الکبر بالهزال والسمن و تبدل الغذاء و یختلف مزاجه مع ذلک' وهو ذلک الانسان بعینه فهذ مقدور لله تعالی ویکون ذلک عودا" لتلک النفس' فانه کان قدتمذر علیها ان تحظی بالا لام و اللذات الجسمیة بفقد الاله وقد اعیدت الیها الة مثل الاولی' فکان ذلک عودا محققا"

ترجمہ : ہاں اس کے باوجود یہ بعث و نشور (Resurection) کا ثبوت ہے اور یہ جسم کا زندہ کرنا ہے اور ایسا کرنا روح کو کسی ایک جسم میں لوٹانے سے ممکن ہے' خواہ پہلے جسم کے مادہ کا ہو یا کسی دوسرے جسم کے مادہ کا یا نو تخلیق مادہ کا' اس لئے کہ انسان اپنے نفس (روح) سے ہے نہ کہ اپنے جسم سے۔ کیونکہ جسم کے اعضاء بچپن سے بڑھاپے تک لاغری' موٹاپے غذا کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں اور اس کا مزاج بھی بدل جاتا ہے۔ بایں ہمہ وہ وہی انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہی اس روح کا لوٹایا جانا ہوتا ہے۔ کیونکہ اعضاء سے محرومی کی بنا پر اس کے لئے جسمانی دکھوں اور لذتوں کا حصول نا ممکن ہو گیا تھا۔ اور اب روح کو اس جیسے اوزار دے دئے گے ہیں۔ لہٰذا یہ یقینی لوٹایا جانا ہے۔

امام غزالی کی مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ انہیں روح کے اپنے پہلے جسم میں لوٹائے جانے پر اصرار نہیں۔ اور یہ کہ ان کے نزدیک حشر اجساد کسی اور جسم میں روح کے لوٹائے جانے سے ممکن ہے۔ جب بات یہ ہے تو ہمارا یہ کہنا کہ انسان کو آخرت میں جسم لطیف (astral body) مل جاتا ہے' جسے قرآن نے خلق جدید کا نام دیا ہے امر واقع پر مبنی ہے۔

آئیے دیکھیں قرآن حکیم اس مسئلہ پر کیا روشنی ڈالتا ہے ملاحظہ ہوں آیات (56/35-38) **اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ○ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ○ عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○** ترجمہ : بلا شبہ ہم نے جنت میں ان عورتوں کو نئی پیدائش میں بنایا پھر انہیں لطیف جسم کے لحاظ سے کنواریاں کر دیا محبت والیاں ہم عمر۔ آیت (56/36) کے حوالہ سے ابکارًا کی تفسیر کے طور پر تفسیر الخازن میں حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ ایک بڑھیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے جنت میں داخل فرمائے رسول اللہؐ نے کہا : اے فلاں شخص کی ماں جنت میں تو کوئی بڑھیا نہیں جائے گی حسنؓ کا بیان ہے کہ اس پر وہ بڑھیا روتی ہوئی لوٹ گئی۔ تو رسول اللہؐ نے کہا کہ اسے بتاؤ کہ وہ بڑھیا ہونے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ **اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ○ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ○** (ترجمہ اوپر دیا جا چکا ہے) دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ عورتوں کو نئی پیدائش میں کنواریاں بنا دیتا ہے اس روائت کا عربی متن مندرجہ ذیل ہے : **اتت عجوز النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ادع اللہ ان ید خلنی الجنة فقال یاام فلان ان الجنة لاید خلها عجوز قال فولت تبکی قال**

اخبروها انها لاتدخلها وهی عجوز ان اللّٰہ قال ۔ انا انشا ھن انشاء فجعلنا ھن ابکارا۔ صفوۃ التفسیر میں عربا" اترابا" کی تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ (عربا) جمع عروب **وھی المتحببۃ لزوجھا العاشقۃ لہ قال مجاھد ھن العاشقات لازواجھن المتحببات لھم اللائی یشتھیں ازواجھن (اترابا") ای مستویات فی السن مع ازواجھن فی سن ابناء ثلاث وثلاثین' عن ام سلمۃ قالت سالت النبیؐ عن قولہ تعالٰی (انا انشاھن انشاء فجعلنا ھن ابکارا ○ عربا اترابا فقال یا ام سلمہ ھن اللواتی قبضن فی الدنیا عجائز شمطا عمشا" رمضا جعلھن اللّٰہ بعد الکبر اترابا علی میلاد واحد فی الاستواء** ترجمہ : عرب عروب کی جمع ہے عروب اس بیوی کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند کی محبوبہ اور عاشق ہو۔مجاہد کا قول ہے کہ یہ عورتیں اپنے خاوندوں کی عاشق ان کی محبوبہ اور انہیں چاہنے والیاں ہوتی ہیں۔ (اتراب) اور اپنے 33 سالہ خاوندوں کی ہم عمر بھی حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریمؐ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان **انا انشاھن انشاء فجعلنا ھن ابکارا عربا اترابا** کے متعلق پوچھا تو نبی کریمؐ نے فرمایا۔ ام سلمہؓ یہ وہ عورتیں ہیں جن کی دنیا میں روح قبض کی گئی تو وہ بوڑھی تھیں' بال خاکستری رنگ کے' آنکھیں چندھی' جن سے رطوب خارج ہوتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے کے بعد ہم عمر بنا دیا۔

جب کہ اسی تفسیر صفوۃ التفاسیر میں **انا انشا ھن انشاء** کی یوں تفسیر کی گئی ہے **ای خلقنا نساء الجنہ خلقا" جدیدا وابد عناھن ابداعا عجیبا قال فی التسھیل و معنی انشاء االنساء ان اللّٰہ تعالٰی یخلقھن فی الجنۃ خلقا" آخر فی غایۃ الحسن بخلاف الدنیا فالعجوز ترجع شابۃ و القبیحۃ ترجع جمیلۃ** ہم نے جنت کی عورتوں کو نئی پیدائش میں خلق کیا اور ان کی تخلیق کو حیرت انگیز بنا دیا ہے التسہیل میں ہے کہ انشاء النساء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کو جنت میں ایک اور پیدائش میں پیدا کر دیتے ہیں جو دنیا کے برعکس انتہائی خوبصورت ہوتی ہے۔ چنانچہ بوڑھی عورت جوان اور بدصورت عورت خوبصورت بنا دی جاتی ہے۔

ان آیات اور ان کے تفسیری ترجمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو عورتیں دنیا میں مرتے وقت بوڑھی ہوتی ہیں یا بدصورت ہوتی ہیں انہیں جنت میں نئی پیدائش میں جسم لطیف کے ساتھ کنواری جوان اور خوبصورت بنا دیا جاتا ہے اور وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر بھی بنا دی جاتی ہیں جن کی عمر 33 سال سے متجاوز نہیں ہوتی۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مرد بھی بوڑھے ہوں تو انہیں جوان بنا دیا جاتا ہے اور بدصورت ہوں تو خوبصورت بنا دیا جاتا ہے تاکہ حور کے پہلو میں لنگور کی چھبتی ان پر نہ کسی جا سکے۔ اگر ایسا ہوتا ہے' اور یقیناً ہوتا ہے' تو ظاہر ہے کہ یہ اس جسم کے ساتھ نہیں ہو سکتا' جو مرنے والے اس دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ جو رفتہ رفتہ گل سڑ کر مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے بلکہ وہ نیا جسم ہوتا ہے۔ جسے جسم لطیف کہنا چاہیے۔ اس طرح حشر اجساد کا وہ مفہوم درست نہیں

جس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ ہمارے خاکی جسم قیامت کبریٰ پر دوبارہ مٹی اور بوسیدہ ہڈیوں سے تعمیر کیے جائیں گے اور پھر ان میں ارواح لوٹائی جائیں گی جو مرتے وقت قبض اور روکی گئی تھیں۔

اب رہا ہڈیوں کو جمع کرنے اور ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے پور پور درست کرنے کے متعلق قرآن حکیم کی آیات (75/3-4) جو یہ ہیں **اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ** ○ ترجمہ: کیا یہ انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے۔ کیوں نہیں ہم اسبات پر قادر ہیں کہ اس کا پور پور درست کر دیں۔ ان آیات کی تفسیر خازن میں کہا گیا ہے کہ **وقیل معناء اظن الکافر انا لَّن نقدر علی جمع عظامه بل نقدر علی جمع عظامه حتی نعید السلامیات علی صفرها الی اماکنها و نولف بینها حتی ستوی البنان فمن یقدر علی جمع الصفار فهو علی جمع کبارهاا اقدر**

ترجمہ: یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا اس کافر (عدی بن ربیعہ) کا یہ خیال ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں اکٹھی نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ اہم اس کی ہڈیاں جمع کر سکتے ہیں یہاں تک کے اس کے ہاتھ پاؤں کی چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کو ان کی جگہ لوٹا کر جوڑ سکتے ہیں تاکہ پور پور درست ہو جائے پس جو ذات چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کو اکٹھا کر سکتی ہے وہ بڑی ہڈیوں کو جمع کرنے سے اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔

اور ہڈیوں کو زندہ کرنے کے متعلق آیات (36/77-79)

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ○ **وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ** ○ **قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ** ○ میں فرمایا: ترجمہ کیا انسان نظر نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا (بجائے نادم ہونے کے سخت نافرمانی پر اتر آیا اور عجز کی جگہ سرکشی کرنے لگا' جیسے فرمایا) پس جب تو وہ ظاہر جھگڑنے والا ہوا۔ اور ہمارے متعلق باتیں بناتا ہے۔ یہ کس بات کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا (اور پھر) کہتا کیا ہے کہ ہڈیوں کو کون (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ جب کہ وہ (ہڈیاں) بوسیدہ ہو گئی ہوں اے پیغمبر کہو (ان ہڈیوں کو) وہی زندہ کرتا ہے جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ (اللہ) ہر قسم کی پیدائش کا (پورا پورا) عالم ہے۔

تفسیر جلالین میں ہے **وروی انه اخذ عظمارمیما فتته وقال للنبی اتری یحیی الله هذا بعد مابلی ورم فقال صلی الله علیه وسلم نعم وید خلک النار** ترجمہ: روایت ہے کہ اس شخص ابن وائل نے ایک بوسیدہ ہڈی اٹھا کر اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور نبی کریمؐ سے کہا کہا بتایئے کیا اللہ اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کر سکتا ہے۔ رسول اللہؐ نے کہا ہاں اور تمہیں جہنم میں داخل کرے گا۔

ان آیات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان میں باری تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے عالم آخرت میں اسے پیدائش مل چکی ہوتی

ہے اور وہ مبعوث ہو کر اور خدا کے حضور میں پہنچ کر اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا پا رہا ہوتا ہے۔
چنانچہ آیت (36/81) میں ارشاد ہے **اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ** ○ ترجمہ : اور کیا وہ (خدا) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ انکی مثل پیدا کرے کیوں نہیں ضرور قادر ہے اور یہ اس کے سامنے کیا مشکل ہے۔ وہ تو زبردست خالق و علیم ہے۔
اور متعدد مقامات پر فرمایا جیسے **وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا** (49/ 17) اور انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو کیا ہم اس وقت نئی پیدائش میں پیش ہوتے ہیں؟
2۔ **وَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ** (37/53) کیا یہ درست ہے کہ جب ہم مر جاتے ہیں اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہمیں بدلہ دیا جاتا ہے۔
3۔ **ءَ اِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ** (37/16) کیا جب ہم مر جاتے ہیں اور مرنے کے بعد مٹی اور ہڈیاں ہو جاتے ہیں تو کیا بلاشبہ ہم اس وقت ضرور پیش ہوتے ہیں۔
4۔ **وَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ** (56/47) اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جاتے ہیں اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاتے ہیں تو کیا ہم اس وقت ضرور ہی پیش ہوتے ہیں
5۔ **وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا** (19/66) اور یہ انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو قرب ہی زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔
6۔ **وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ** (11/7) اور اگر تو کہے کہ تم موت کے بعد پیش ہوتے ہو تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ ایک صریح دھوکا ہے۔

ان تمام آیات میں مرنے کے بعد خاکی جسم کے مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہونے کا ذکر ہے لیکن سوال جسم کی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے بجائے اس وقت عالم آخرت میں نئی پیدائش کے ساتھ پیشی، جزا و سزا اور زندہ کر کے اس دنیا سے نکالے جانے کے متعلق ہے۔ اور آیت نمبر 6 **ولئن قلت الخ** اس لغز کا واضح اور صریح حل بتا رہی ہے جو یہ ہے کہ اے نبیؐ اگر تم ان سے کہو کہ تم موت کے بعد دوسرے عالم میں پیش ہو جاتے ہو، تو کافر تیری اس بات کو کھلا دھوکا قرار دیں گے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے۔ عالم آخرت میں مرنے والے کی پیشی لطیف جسم سے ہوتی ہے۔ جسے خلق جدید کہا گیا ہے۔

○○○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمت اللہ طارق

دہشت گردی صرف خرد افروزی سے ختم ہو سکتی ہے، کاوشِ مُلّا سے نہیں

یہ 1955ء کی بات ہے بغداد میں باب الشیخ کے حارۃ السراج (سراج محلہ) میں ایک بہت ہی وسیع میدان پایا جاتا تھا جس میں پورے علاقے کا کوڑا کرکٹ جمع رہتا تھا جو دُور سے تین منزلہ عمارت کی بلندی جتنا ٹیلہ نظر آتا تھا۔ کئی میلوں پر پھیلے ہوئے اس میدانِ غلاظت میں مرے ہوئے جانوروں کے تعفّن کے باعث ساتھ والی آبادی کا جینا دوبھر ہو چکا تھا۔ بلدیہ نے غلاظت کے اس پہاڑ کو ہٹانے کی بجائے کیڑے مار دواؤں کا سپرے کرا دینے پر اکتفا کر رکھی تھی۔ سوچنے والے کہتے تھے جب تک گندگی کو ہٹایا نہیں جائے گا سپرے کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکے گا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فرقہ پرستی بھی ایک گند ہے جو بڑھتے بڑھتے ہمالیہ بن چکا ہے۔ آئین و مذہب نے ا۔ تحفظ بھی دے رکھا ہے۔ ایسے میں ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہ کر مذہبی دہشت گردی کا انسداد کرے گا تو کیسے کرے گا؟ باایں ہمہ سالِ رواں کے محرم کے موقع پر کچھ اہلِ علم نے فرقہ پرستی اور مذہبی عدم رواداری پر خامہ فرسائی کر ہی ڈالی یعنی فرقہ واری کی غلاظت پر اتحاد کا سپرے کر ہی دیا لیکن کیا سپرے اندر کے بغض و نفرت اور غلاظت کے رِستے ناسور کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ ہر سوچنے والا کہے گا کہ ایسی کدو کاوش سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ مذہبی فرقہ پرستی اور نفرت کے خلاف اگر کچھ کیا جا سکتا ہے تو ایسے باشعور انسانوں کو سامنے لانا ہو گا جو فرقہ وارانہ فکر کی علی الاطلاق نفی کرنے والے ہوں۔ لیکن یہاں اُفتاد یہ ہے کہ فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے علمبردار، غیر فرقہ وارانہ سوچ، روشن خیالی اور وحدت و اتحاد کی تخم پاشی کرنے والوں کو سرے سے مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کسی بھی فرقے کا نہیں وہ مسلمان ہی نہیں، کافر اور منافق ہے۔ دہریہ ہے، سیکولر ذہن رکھنے والا ہے۔ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان ان ہی روشن فکر لوگوں کے آباؤ اجداد معتزلہ اور متکلمین کے عقلیت پرستوں نے پہنچایا۔ دنیا اپنے اسلاف کی روش اور تقلید پر مطمئن تھی۔ ان لوگوں نے تحقیق و تفتیش کے دریچے وا کرکے تقلید اور سلف پرستی کے آہنی قلعے میں دراڑیں ڈال دیں اور آج پھر ایسے ہی روشن خیال فرقہ پرستی کی مخالفت میں پیش پیش ہیں اور جانبداری کی تمام اصناف کو یکسر محو کر کے خدائے واحد کے دیئے ہوئے دین کی طرف بلا رہے ہیں جو ان کے زعم میں فرقہ پرستی کے ہمہ جراثیم سے پاک و صاف ہے۔ لیکن مسلمان اتنے غافل نہیں کہ روشن خیالوں کے سنہرے جال میں پھنس کر اپنے اسلاف کے مقرر کردہ

مسالک اور مذاہب سے منحرف ہوں ؟ اسلام یہ نہیں۔۔۔۔ اسلام یہ ہے کہ اپنے اپنے فرقوں پر پابند بھی رہو اور دنگا فساد بھی نہ کرو یعنی سنکھیا بھی کھاؤ اور صحت بھی بناؤ جب کہ اقبالؒ کہتا ہے کہ

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

یہ خیالات کسی ایسے عالم دین کے نہیں جو مروجہ طریقوں سے بات کرنے کا عادی ہو بلکہ ایسے مدعیٔ علم و دانش کے ہیں جو بزعم خویش ہر بات رسول اللہؐ سے پوچھ کر۔ یا رسول اللہؐ کو اپنے ہاں بلوا کر نو بہ نو ہدایات لے کر بات کرنے کے خوگر ہیں۔میرے مشار الیہ علامہ طاہر القادری صاحب ہیں جنہوں نے رواں محرم میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر مضمون لکھ کر بیک وقت جنگ اور نوائے وقت میں شائع کرایا۔ انہوں نے فرقہ پرستوں کے خلاف کچھ لکھنے کی بجائے دنیا اسلام کے ان مفکرین' زعما اور مجتہدین کی ذات کو نشانۂ تضحیک و ہدف تکفیر و تفسیق بنایا جو فرقہ پرستی کے وائرس سے جسدِ اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے کوشاں رہے۔ان میں سر سید اور مفتی عبدہؒ بھی ہیں' جمال الدین افغانیؒ اور علامہ اقبالؒ بھی' قائد اعظمؒ اور علامہ پرویزؒ بھی جنہوں نے اپنے حکیمانہ خیالات میں مذہبی جانبداری اور فرقہ پرستی کو حیاتِ اسلام کے لئے سمِ قاتل کہا اور مسلمانوں کو صرف قرآنِ محکم پر جمع ہونے کا درس دیا۔ لیکن آج بحرِ منافقت و فرقہ پرستی کی موج میں بہنے والے اُلٹا اُن ہی ملاحوں کو ملاحیاں سنا رہے ہیں جو انسانیت کی کشتی کو دریا پار لے جانا چاہتے ہیں۔**یاللعجب !**

آیئے آج کی صحبت میں عقلیت کی اہمیت پر بات کریں۔

ناظرین محترم :

دنیا میں ہمیشہ دو فکری نظام رائج رہے ہیں تقلیدی اور تحقیقی۔ تقلیدی میں اکابر و اسلاف کے فرامین کو حاصلِ ایمان سمجھ کر ان پر چلنا ہوتا ہے جب کہ تحقیقی میں تفتیش و جستجو اور اشیا کی حقیقتوں کو معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی اصول سیاست میں بھی کام آتے رہے ہیں۔ ادھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان جب تک کسی چیز کی ماہیت اور کُنہ سے آگاہی نہیں رکھتا اس کا اطمینان مرتعش رہتا ہے۔ وہ پوری بے چینی سے اس کی ماہیت' لم اور کُنہ معلوم کرنے میں لگا رہتا ہے۔ بچہ فطرتاً صاف ذہن اور تجسس کا عادی ہوتا ہے۔ وہ بسا اوقات 'یزداں بکمند آور' کے سلسلے میں بڑوں سے یہ سوال بھی کر بیٹھتا ہے کہ اللہ کیسا ہے ؟ کہاں ہے ؟ اس کا گھر کیسا ہے؟ کیونکہ کھوج لگانا' کریدنا اور ٹوہ لگانا اس کی فطرت میں شامل ہے۔بڑوں سے اکثر اسے یہ جواب ملتا ہے کہ بچے ایسی باتیں نہیں کرتے' گناہ ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر اس کے ذہن میں گناہ کا ایسا بھیانک تصور اُبھارا جاتا ہے کہ وہ زندگی بھر کانپتا رہتا ہے یا پھر ہمیشہ کے لئے کچھ سوچنے اور کریدنے سے گریزاں رہتا ہے۔لیکن بعض والدین جب اسے کہتے ہیں کہ تم ابھی بچے ہو جب بڑے ہو جاؤ گے تو سمجھ جاؤ گے تو وہ مان جاتا ہے۔

علم و عقل روزِ اول ہی سے ارتقا پذیر ہیں۔کائنات کی جتنی گتھیاں سُلجھی ہیں'عقلی اور علمی ارتقاء کے طفیل ہی سلجھی ہیں۔بے وقوفوں اور **لا یعقلون** نے سچائی کی ہمیشہ اس لئے مخالفت کی ہے کہ سوچ

اور تحقیق کی تگنائے سے ان کا گذر کبھی ہوا ہی نہیں۔ وہ خود دشمنی کا مظاہرہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی فروزاں ان کی نا آسودہ خواہشوں کی تکمیل میں سدِّراہ بنجاتی ہے۔ ادھر یہ بھی حقیقت ہے کہ علم و سائنس کی ترقی نے نہ صرف ہمارے فکری پیمانوں کو چکنا چور کر دیا ہے بلکہ پورے عقائدی نظام ہی کو درہم برہم کر ڈالا ہے۔ ایسے میں قوتِ دفاع سے محروم لوگ تو شعور کے ارتقا کو برا بھلا کہتے ہی رہے لیکن عاقبت نا اندیشی یہاں تک بڑھ گئی کہ دنیا کے فکری پسماندہ لوگوں کی طرح خود وحیٔ قرآن ہی کے دشمن بنتے چلے گئے، کیونکہ وحیٔ قرآن نے پہلے مرحلے پر ہی واضح کر دیا تھا کہ اس کے مخاطب عقل و شعور سے آراستہ و پیراستہ لوگ ہی ہیں اور جو لوگ ان خصائص اور اوصاف سے محروم ہیں وہ ڈھور ڈنگر یا اس سے زیادہ بدتر ہی کا سمبل ہیں۔ اس سے وہ اشارہ دیتا ہے کہ عقل کو بنیاد پرستوں کے ماسوا کسی نے جامد اور ٹھہرے جانا ہے اور نہ ہی مسترد کیا ہے۔ بلا شبہ عقل، وحی کی طرح " **مرتقی** " اور " **مجلّی** " نہیں ہے، لیکن اس نے مخاطب اسے ہی ٹھہرایا ہے کہ بات کرنے کا شعور اسی کے طفیل ہی پروان چڑھتا ہے اور عقل ہی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ بُرے بھلے میں چھانٹی کر کے مفید کو اپناتی اور غیر نافع کو دور پھینک دیتی ہے۔ ایک بار کسی نے کہا کہ میّت کے اعزّہ جب آہ و بکا کرتے ہیں تو اسے عذاب ہوتا ہے اس پر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا۔ یہ قرآن کی بات نہیں۔ عقل کی بات نہیں۔ یہاں اصول یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی عمل ہی کا جواب دہ بنایا گیا ہے۔ اچھا ہے تو صلہ ہے، برا ہے تو سرزنش۔

اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سامنے کسی نے عقیقہ کی بات چھیڑتے ہوئے کہا کہ جب تک عقیقہ نہیں کیا جاتا نومولود جہنم میں گروی رہتا ہے۔ یہ سن کر امام موصوف نے فرمایا کہ اس روایت کو دیوار پر دے مارو اور بعض روایات میں ہے کہ اسے خنزیر کی دم سے باندھ دو۔ ہر انسان آزاد پیدا ہوتا ہے گروی نہیں ہوتا پھر جب جواب دہی کی عمر کو پہنچتا ہے تو اپنے عمل ہی سے نار یا نعیم کا مستحق ٹھہرتا ہے تاہم اولاد کی خوشی پر ذبح یا ضیافت کرنا اچھی بات ہے۔

ایک بار کسی نے کہا قبر والے ہماری بات سنتے ہیں مگر جواب کی سکت نہیں رکھتے۔ اس پر سیدہ عائشہؓ نے جواب مرحمت فرمایا "روح اور جسم کے ناطے ٹوٹنے اور عناصر کے منتشر ہو جانے سے انسان احساس کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے مُردے کچھ بھی نہیں سن پاتے حتےٰ کہ پیغمبر بھی ان تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتے"۔ یہ اور اس طرح کے درجنوں واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں روایت پر ہمیشہ درایت کو ترجیح حاصل رہی اور کسی بھی دور میں عقلیت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا گیا۔ تاریخِ اسلام میں بڑے فلاسفر اور قد آور عقلیت پسند ہو گذرے ہیں جن کی فکر کی اساس تقلید پر نہیں، ترقی پذیر شعور پر تھی۔ اجتہاد جسے فقہاء نے ختم کر دیا ہے وہ بھی انسان کی اعلیٰ ذہانت اور فکری ارتقاء کا شاہکار ہے۔ آج ہم امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ و دیگر ہزاروں مفکرین، اجتہاد اور اصابت رائے کا عقیدہ اس لئے رکھتے ہیں کہ انہوں نے عقل کے چراغ گُل نہیں بلکہ روشن کئے اور

پوری توانائی سے اس کے فروغ اور اجراء پر زور دیا۔ یہ انسانی فکر ہی ہے جو ہمیں غیر جانبداری کا
درس دیتی، وحدت و یگانگت کے اصول فراہم کرتی اور اخوت و مساوات کی طرف بلاتی ہے. بلکہ عقل سے
عداوت رکھنے والے مُلّا اور ملوک خود بھی عقل کا سہارا لے کر ہی اپنی ساحرانہ اور فنکارانہ مہارت
سے عامتہ الناس کا دماغ ماؤف کر کے اپنا گرویدہ اور غلام بناتے ہیں۔ یہ کیسے عقل کی سیئات بیان
کرتے اور حسنات پر پردہ ڈال سکتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ یہ اپنی ذات کے لئے تو عقل کی ڈھال استعمال
کرنا روا سمجھتے ہیں لیکن دوسروں پر نہایت حقارت سے عقلیت فروزی کی پھبتی کستے رہتے ہیں. یہ تیز و
طرار، چالاک اور عیار لوگ عقل و آگہی سے بیزاری کا درس اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ سیانے بن کر
ان کی خدائی کو چیلنج کر دیں گے اور ان کی عالمانہ مکاری دفن کاری کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھیں گے۔
مثلاً ایک دفعہ خود دشمنوں نے مسئلہ کھڑا کر دیا کہ حضور نبی اکرمؐ کا " مادہ منویہ " پاک اور بول و
براز قابل خوردی ہیں. اس پر امام شافعی 820ء نے فرمایا کہ نبی اکرمؐ غسل جنابت فرماتے اور بول دیراز
کے بعد طہارت بھی کرتے تھے۔ اب اگر آپؐ کے یہ عضلات ناپاک نہیں تھے تو نہانے اور طہارت کی
ضرورت کیا تھی؟ امام شافعی کا جواب عقل پر مبنی اور ان روایات کے منافی تھا جن میں آپؐ کے فضلات کی
پاکیزگی اور حِلّت بیان ہوئی ہے لہٰذا بنیاد پرست بگڑ گئے اور امام موصوف کی جان کے لاگو ہو گئے تھے. صدیاں
گزرنے کے بعد جب فقہ حنفی کے وکیل اور پشت پناہ علامہ بدرالدین عینی (1451ء) بخاری کی شرح لکھنے
لگے تو امام شافعی پر خفگی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے، اور فرمانے لگے **زلة الاكابر على اقدارهم**
یعنی امام شافعی جتنے بڑے تھے اتنا ہی بڑا اُن کا جرم ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے فضلات کو حرام و
ناپاک کہتے ہیں پھر لکھا ہے کہ -- خطرہ ہے کہ امام شافعی کفر کی وادی میں بھٹک گئے ہوں. نہ صرف یہ کہ
دَورِ تقلید میں فضلاتِ پیغمبر پر بحثیں کیں، عہدِ حاضر
روایت پرستوں نے اپنی مفلوج سوچ کے سہارے
میں عقلیات اور عقل دوستوں پر تنقید کرنے والے علامہ طاہر القادری نے بھی اپنی تصویر کے ساتھ
فضلاتِ پیغمبر کی حلت پر ایک مضمون سپرد قلم کیا اور یہ روایت بھی گھڑ لی کہ اصحابیات نے ان فضلات کو
استعمال بھی کیا ہے۔ راقم اور مدیر صحافت (ہفت روزہ لاہور) نے جب فنی اور عقلی زاویوں سے
اس نا شائستہ مضمون پر تعاقب کیا تو مُریدانِ باصفا ضرورت سے زیادہ رنجیدہ اور سیخ پا ہو گئے اور میری
تنقید پر مدیر سنگ میل (ملتان) ولی واحد کو ڈرایا دھمکایا کہ انہوں نے علامہ پر تنقید کیوں شائع کی؟
انہیں کہا گیا کہ آپ حضرت علامہ سے جوابی مضمون لکھائیں وہ بھی نمایاں شائع ہو گا۔
کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج عالم بشریت وحی اور عقل کی روشنی میں ارتقائی منزلیں طے کر کے
قدرت کے سربستہ رازوں کو فاش کرنے میں مصروف ہے جب کہ ہمارے ہاں **مادی و منیا** ثابت کرنے میں
لگے ہوئے ہیں کہ فرقہ پرستی دراصل روشن خیالی اور عقلی ارتقا کا شاخسانہ ہے — فرقہ پرستی عقل و
شعور کی پیداوار ؟ اے کاش عقل کا بوجھ نہ سہار سکنے والے اپنی خام فکر اتنی بے رحمی سے عام نہ
کرتے --- یہ درست ہے کہ عقل و شعور سے بہرہ وافر پانے والے، ان فرقہ بند و فرقہ ساز علماء کی

نہیں مانتے اور انہیں رنج ہے کہ لوگ با شعور کیوں بنتے جا رہے ہیں؟ کیوں نہیں ان کے تابع مطلق بن کر نور کے مقابل ظلمت کے پھیلانے میں مددگار و معاون بن جاتے۔ انہیں بجا طور پر رنج ہے کہ فکری ارتقاء سے ذہن غیر جانبدار بن جاتا اور قدامت پرستوں کے دام فریب میں آ کر اپنے بھائیوں کی گردن ناپنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ آزاد ذہن عموماً مذہبی غلامی قبول نہیں کرتا۔ وہ صرف دین اور وہ بھی قرآن سے رہنمائی لیتا ہے۔یہی وہ جرم ہے جو ہزاروں سالوں سے معاف نہیں ہونے پایا۔

والسلام مع الکرام

ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر

3082 -7

نیشنل بینک مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

چیئرمین طلوع اسلام

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے شمارے

خوبصورت اور پائیدار جلدوں میں محفوظ ماہنامہ طلوع اسلام کی سال

70-72-73-75-76-77-78-80-83-84-86-87-88-90-91-94

95-96 کی جلدیں 150 روپے فی جلد علاوہ محصول ڈاک کے حساب سے فروخت کے لئے موجود ہیں۔ اپنی فرمائش سے مطلع فرمائیں۔

سرکولیشن مینجر

ادارہ طلوع اسلام

مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

جولائی 1997ء

نام کتاب	قیمت نیوز PAPERBACK	قیمت اعلیٰ DELUXE
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ)	--	510/=
(کھلے پارے۔ فی پارہ)	--	17/=
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلد)	--	510/=
(تین جلدوں میں۔ فی جلد)	--	170/=
لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلد)	--	700/=
چار جلدوں میں (فی جلد)	--	175/=
تبویب القرآن (مجلد)	--	600/=
مطالب الفرقان (مکمل سیٹ)	660/=	1310/=
مطالب الفرقان (جلد اول)	90/=	180/=
مطالب الفرقان (جلد دوم)	80/=	170/=
مطالب الفرقان (جلد سوم)	100/=	200/=
مطالب الفرقان (جلد چہارم)	110/=	220/=
مطالب الفرقان (جلد پنجم)	90/=	180/=
مطالب الفرقان (جلد ششم)	100/=	200/=
مطالب الفرقان (جلد ہفتم)	80/=	160
من و یزداں	110/=	220/=
ابلیس و آدم	110/=	220/=
جوئے نور	90/=	180/=
برقِ طور	90/=	180/=
شعلۂ مستور	90/=	180/=
معراجِ انسانیت	175/=	350/=
مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں	50/=	100/=
انسان نے کیا سوچا؟	110/=	220/=
اسلام کیا ہے؟	90/=	180/=
کتاب التقدیر	110/=	220/=
جہانِ فردا	90/=	180/=
شاہکارِ رسالت	175/=	350/=
نظامِ ربوبیت	110/=	220/=
تصوف کی حقیقت	110/=	220/=

قرآنی قوانین	50/=	100/=
سلیم کے نام خطوط (جلد اول)	60/=	130/=
سلیم کے نام خطوط (جلد دوم)	60/=	120/=
سلیم کے نام خطوط (جلد سوم)	80/=	150/=
طاہرہ کے نام خطوط	60/=	120/=
ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت	80/=	160/=
حسنِ کردار کا نقش تابندہ (قائد اعظمؒ)	--	50/=
اقبال اور قرآن (جلد اول و دوم)	150/=	300/=
مجلسِ اقبالؒ۔ شرح مثنوی اسرار و رموز	150/=	300/=
قائد اعظمؒ کے تصور کا پاکستان	100/=	200/=
بہارِ نو	100/=	200/=
Islam:A Challange to Religion	110/=	220/=
Exposition of the Holy Quran(I)	--	440/=
Islamic Way Of Living	30/=	40/=
اسلامی معاشرت	25/=	75/=
اسبابِ زوالِ اُمت	20/=	60/=
جہاد	--	50/=
خدا اور سرمایہ دار	80/=	160/=
سلسبیل	100/=	200/=
مقامِ حدیث	60/=	120/=
قرآنی فیصلے (جلد اول)	150/=	300/=
قرآنی فیصلے (جلد دوم)	150/=	300/=
قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	--	50/=
مزاج شناسِ رسول	80/=	160/
آبادِ مسجد	120/=	--
تحریکِ پاکستان اور پرویز	150/=	300/=
نوادرات	120/=	--
پاکستان کا معمارِ اول (زیرِ طبع)		
The Pakistan Idea	--	100/=
Woman-Recreated	--	100/=

طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

(ان قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی وقت بھی تبدیل کی جا سکتی ہیں۔)اکاؤنٹ نمبر 4107-35،
حبیب بینک لمیٹڈ مین مارکیٹ گلبرگ برانچ لاہور

●●●

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

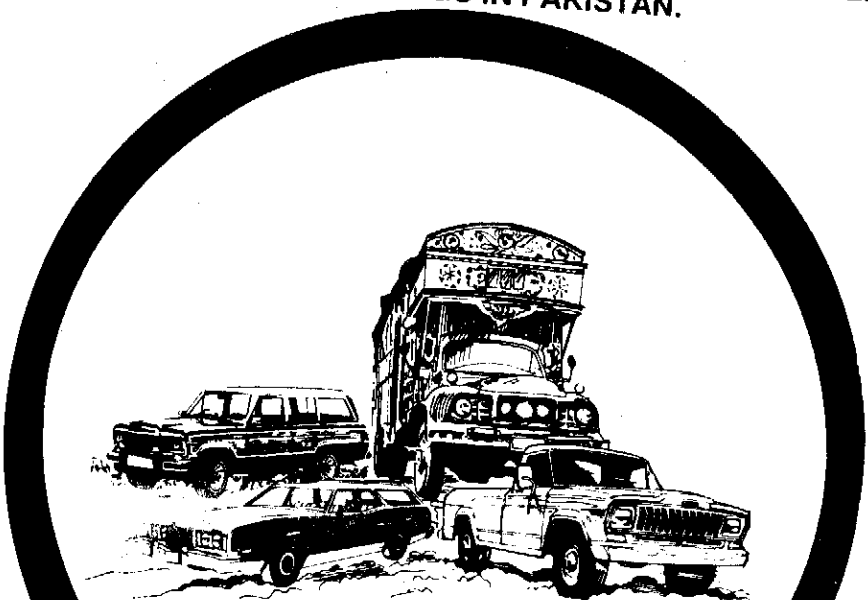

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.
OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES: 545071, 75571, 539071-73
FACTORY 550171

SAYINGS OF THE HOLY PROPHET
(PEACE BE UPON HIM)

|Excerpts from the farewell address of Rasool Allah (peace be upon him) on the occasion of Haj|

O Mankind! All Institutions and Laws of the days of ignorance and darkness are crushed under my feet.

O Mankind! Your Nourisher *(Rubb)* is one and only one and you are a part of the same and single human stock. Hence Arabs and non-Arabs, red or black, races and colours have no superiority over each other.

Remember! Every Muslim is a brother unto another Muslim. Muslims from all part of the world are thus welded into one brotherhood. This concept of brotherhood is not an abstract thing, for your life, property and honour, should be respected and secure for all times to come just as this day (Haj) of this month, in this city of Mecca is a guarantee of your security. Do not, after I am no longer amidst you deviate from the straight path or secede from the central authority, or else you will become victim of disunity and ignorance and cut each other's throat. Remember that you will be judged by your actions in the light of Allah's laws.

If your leader and president happens to be a black African and he enjoins upon you the Quranic values, you must obey him.

In this system *(Deen)* every member is in his rightful position. Do not place him higher than he is, for people in the past destroyed themselves because of it.

Remain within the Quranic concepts regarding the status of women. Women have as much right over you as you have over them. Do not ignore their rights.

(Glancing over the multitude of a hundred thousand, he addressed them a question with reference to his heavy responsibilities) -- "What is you verdict before Allah ?" --(The answer from the crowed came as one man) "You have communicated Allah's Message and fulfilled your duty".

"Be witness today then to the fact" he said "that I have completed the *Deen* for you and this great gift is the Deen of Islam."

HOW SECTARIANISM TOOK ROOT

BY

GHANI EIRABIE

Tolu-e- Islam is reproducing an article "How Sectarianism took root" by Ghani Eirabie courtesy "*DAWN*" dated *May 14, 1997.* The information that he has provided about Sectarianism and the *Deeni Madaaris* is an eye-opener and indeed a frightening warning to the Nation. One can, though, hardly believe that the various governments that have come and gone have been and are today unaware of it. The question that arises is: **What then is the problem ?**

If seen from the psychological viewpoint, the problem lies in a particular mindset. There is such a thing as an unhappy existence (not "living") and an unhappy childhood; an acute sense of insecurity; and all this ending up in a hunger for power. This is a never ending situation; it is a bottomless pit, never to be filled. In such a situation, the vested interests and the ecclesiastical class are bound to come together. This is how the status quo is maintained, and the common man kept in check, unthinking and helpless. The classical example of this in the Quran is the *Pharaoh + Qaroon + Hamaan* combine. They have existed in all ages and climes. But then, TIME tells what happens to them, in spite of this mighty combine. This is the Nature's Law of Retribution which the Quran explains again and again as a warning. *Editor.Tolu-e-Islam.*

OUR ruling elite's indifference, over the years, to the demands of good governance, is primarily responsible for the mounting menace of sectarian violence. The new year's toll of 80 killed (in just four months) already exceeds the total for the whole of last year. But the blame cannot be laid at the door of any one political party, for in their preoccupation with quest for politico-economic power at all costs, both the People's Party and the Muslim League have pathetically failed to take any cognisance of forces seeking to undermine national unity or state security.

Although General Ziaul Haq's bid to carve out a constituency for himself among the country's religious divines is the most to blame for stimulating the growth of sectarianism, neither Ms Benazir Bhutto nor Mian Nawaz Sharif can escape the responsibility for letting the scourge take roots and gain strength. Both have been so frightened of religious militants' potential for street agitation that they have studiously avoided raising any questions about the use of the countless millions of zakat money pouring into the coffers of religious "guilds" including those promoting sectarian rift.

In the manner of our feudal aristocracy, reward for their loyalty by the British with massive land holdings, our ecclesiastical bigwigs, rewarded for their allegiance to a military dictator with massive allocations of zakat funds, have established comparable "fiefs" of their own, in the shape of "deeni madrassas." There is a startling similarity between the two categories of 'fiefs': both are rewards for loyalty to whoever be the ruler at the time and both serve as launching-pads for staking a claim to a share in politico-economic power. The mutual collaboration of vested interest is no surprise.

The ruling elite might deny collaboration, but it cannot deny connivance; and this is shown by the stupendous increase in the number of madrassas. The tally has risen form 150 in 1957 to 5,500 in 1997; and of these over 100 deeni madrassas impart military training ! The exact amount of zakat funds released to them is not known; it runs into hundreds of millions of rupees -- and there is no governmental audit. This is a serious lapse; the failure to audit public funds is a grave dereliction of duty. Also highly objectionable is the government's failure to keep a tab on the syllabi, the curricula and the faculty of the deeni madrassas; The onus for maintaining a close check on a country's education system rests squarely with the government. From all accounts these madrassas are beehives of religious obscurantism and are staffed by exceptionally bigoted teachers and the curricula does not go much beyond the teaching of extremely orthodox versions of the Islamic faith; and in the process of imparting instruction in Islamic philosophy and "fiqa" no effort is spared to instil in the young impressionable minds the lore exclusively of the sect running the particular institution. Young men graduating out of such partisan institutions are so deeply steeped in sectarian prejudices that nothing subsequently succeeds in ridding them of the avenom and a very large number of these graduates are enabled to defend their bias with force of arms, which the madrassas train them in.

The madrasa education equips them essentially for two jobs only-- as imam masjid and as devoted cadres of religious parties and paid employees of sectarian outfits. The quest for the first results in the alumni endeavouring to multiply the number of mosques in each locality, to justify which mosques are dedicated to a variety of feuding religious parties in street demonstrations; and as paid employees of sectarian outfits, they repay with the blood of the innocent targeted by the sectarian leaders. Their post-graduate training perfects them as professional killers.

So long as the so-called deeni madrassas continue to churn out ever fresh cadres of religious fanatics who find employment only as sectarian gunmen, there can be no peace in the land. Therefore some of us have long been urging the government to undertake a thorough review of the functioning of all private educational institutions be they English-medium school or deeni madrassas, probe their sources of income both domestic and foreign-- examine their curricula, how lop-sided-- and appraise their

faculty, how well or ill qualified and above all assess their policy objectives-- what they are seeking to achieve.

By unfortunately, the successive regimes have felt unduly frightened at the prospect of stirring up what they dread might be a hornet's nest; and this has prevented them from dealing strongly with the breeding ground of sectarian activities namely the deeni madrassas-- which has confronted us with the situation we face today.

The governments' fears are not well founded. A succession of general elections has exposed the hollowness of the clergy's clout: the religious bloc which collectively claimed to be the second largest party in the National Assembly in 1970, has gradually been reduced to marginal existence in the 1997 polls. Additionally, the great mass of common people do not share the fanatics' aversion to followers of other sects; the sectarian killings of the innocent within the precincts of mosques and immambargahs has disgusted them completely and they have begun to view such massacres not only as un-Islamic but also unpatriotic.

The blame must be shared by our religious divines who have failed to drive home the Quranic prohibition of sectarian conflict, as for instance, these two verses: "As for those who divide their religion and break it up into sects, thou has no part, in the least" (06:159) or "-- those who are divided among themselves after receiving clear signals or fall into disputations for them there is drastic chastisement (03:105). With God asking the Holy Prophet (PBUH) to distance himself, from such mischief makers, who are threatened with 'drastic chastisement' how dare the sectarian activists invoke God's name in the very act of flouting His edict ?

Likewise the sectarian fanatics have failed to explain what they hope to achieve with these stray killings. With the Sunnis numbering some 100 million and the Shias, over 30 million in Pakistan, not even an atom bomb can wipe off either community. This leaves one with the nagging conclusion that the sectarian mullahs are not motivated by any religious convictions or plausible logic; they are driven by secular worldly considerations-- either to build themselves up as leaders by exploiting the people's sentimental vulnerability or fill their coffers with ill-gotten wealth from native and foreign sources.

Each charge is supported by ample evidence. They would be found to have climbed up the ladder without achieving any scholarly distinction or rendering any service to the people. The nation's intelligence services are well aware of the sources and the countries they are receiving funds from. The sudden opulence of the sectarian leaders speaks for itself.

The job of exposing sectarian leaders as self seekers defying divine wishes on the one hand and splitting the ummah on the other, ought to be handled primarily by

the Milli Yakejehti Council. It should be specifically assigned the task of defusing sectarian tension and skilfully projecting the Quranic ban on sectarian strife. This time the government enjoying as it does a massive popular mandate must deal more sternly with the Ulema, making it clear that any of them not pulling his full weight would have a price to pay-- which could include withdrawal of state-provided concessions and facilities and not the least denial of zakat funds for their deeni madrassas, whose performance should be drastically reviewed in any case with immediate effect. The scrutiny of madrassa rolls should help our intelligence agencies to track down not only the assassins working for Sipah-i-Sahaba and Sipah-i-Mohammad but also alumni pouring out sectarian venom from loudspeakers of mosques and imambargahs. Actually the measures proposed include a regular monitoring of sermons from places of worship and hauling up those found inflaming popular feelings. In fact, this should have been initiated a long time back.

It is highly regrettable that governments tend to ignore the suggestions offered in the Press. Some newspapers have been vigorously pleading over several years the need for modern methods of investigation. Police officers should be trained how to infiltrate the sectarian outfits to identify, from within, their policy-makers, professional killers and projected victims. Last week the federal cabinet belatedly started discussing the idea as if it were a new revelation. In any case waiting for fresh legislation is ill-advised.

The government has also much to answer for its alleged failure to act on the report of late SSP Gujranwala It is believed that during his stay at Multan, the resourceful police officer traced out a hideout of a Sipah-i-Sahaba and recovered not only a score of wireless sets and scanners and bugging devices but also a tell-tale diary, foreign currency and credit cards and above all a "hit list". The authorities failure to grab the named criminals in time, may yet claim many more lives.